شاخِ گل



الطاف حسین مشہدی

ت منزل۔ لاہور

شاخِ گُل

از

الطاف مشہدی

15/-

طابع ـــــ ملک محمد عارف

ناشران ـــــ ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل لاہور

مطبوعہ ـــــ دین محمدی پریس لاہور

اشاعت ـــــ

ملک دین محمد اینڈ سنز مالکان اشاعت منزل

بل روڈ لاہور

Rs 15/-



تعارف

تاریخ پیدائش ——————— ۱۰ فروری ۱۹۱۴ء

مصنف کا پتہ ———— الطاف مشہدی بلاک ۱۸
سرگودھا (مغربی پاکستان)

مصنف کی تصنیفات———— تصویر احساس، الطاف کے
گیت، الطاف کے نغمے
پریت کے گیت، ڈگر،
داغ بیل، ریحانہ مقامات نظر

فضلاں کے نام

جو

آج بھی گاؤں کی کچی دیواروں

کا سہارا لے کر شاعر کی واپسی

کا

انتظار کر رہی ہوگی !

ڈاکٹر عندلیب شادانی ایم - اے - پی - ایچ - ڈی نے لکھا
"میں نہایت ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں،
کہ الطاف مشہدی معاصرین میں قابل رشک مقام
کے مالک ہیں"۔

الطاف دور جدید کا شاعر ہے
اور ہنگامہ خیزیوں کا علمبردار

کرشن چندر ایم۔ اے

پیش لفظ

خدا جانے کچھ مدت سے یہ رسم کیسی پڑ گئی ہے۔ کہ ادبی تخلیقات پر دیباچوں اور مقدموں کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ حالانکہ ”مشک آنست کہ خود ببوید۔ نہ کہ عطار بگوید،،۔ پرانے زمانے میں یہ رسم نہ تھی۔ اگرچہ دیباچے اور مقدمے لکھے جاتے تھے۔ لیکن انہیں مصنف خود لکھتے تھے۔ اور اپنی کتاب کے مطالعہ کے لئے قاری کو تیار کرنے کے لئے اپنی بعض خصوصیات اور اپنے نقطہٴ نظر کو واضح کیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ رسم چلی ہے۔ کہ مصنف کا کوئی درست دیباچہ لکھتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے۔ کہ ایسا درست ادبی حلقوں میں مشہور بھی ہو۔ کہتے ہیں۔ کہ اس سے کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن میں اسے نہیں مانتا۔ کیونکہ آج بھی بے شمار ایسی کتابیں مقبول خاص و عام ہیں۔ جن پر کسی نے دیباچہ نہیں لکھا۔

بہرحال میں یہ چند سطور حکم کی تعمیل میں لکھ رہا ہوں - لیکن حیران ہوں - کہ کیا لکھوں - الطاف مشہدی اردو شاعری میں ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں - کہ ان کا تعارف کرانا بے معنی سی بات ہے - ان کے متعدد مجموعے شائع ہو کر ادبی حلقوں اور عام پڑھنے والوں میں مقبول ہو چکے ہیں - اور کوئی وجہ نہیں - کہ یہ مجموعہ ان سے زیادہ مقبول و محبوب ثابت نہ ہو -

ہماری شاعری میں رومان کی روایت قدیم ہے -

گر عشق نہ بودے و غم عشق نہ بودے
چندیں سخن نغز کہ گفتے کہ شنودے

فارسی اور اردو کے تغزلین نے عشق و محبت کے موضوع پر عمریں صرف کردیں - اور واردات قلبی کے بیان و اظہار کے ایسے ایسے بدیع اسلوب پیدا کئے - کہ ان پر اضافہ بے حد دشوار معلوم ہوتا ہے - لیکن چونکہ زمانۂ حاضر نے '' ظرف تنگنائے غزل '' سے مخلصی پا کر نظم کے پر فضا میدان شعرا کی طبع آزمائی کے لئے پیدا کردئیے ہیں -

اس لئے اظہار جذبات کی گنجائش میں وسعت رونما ہوگئی ھے۔ اور متعدد شعرا نے اس وسعت سے فائدہ اٹھا کر حقائیق زندگی کی نقاب کشائی کا حق ادا کیا ھے۔ لیکن جہاں تک رومانی شاعری کا تعلق ھے۔ ھمیں اب تک صرف دو ھی نام زیادہ نمایاں نظر آتے ھیں اختر شیرانی اور الطاف مشہدی۔ دونوں شباب و رومان کے شاعر ھیں۔ اور اس اعتبار سے ھماری شاعری کی قدیم ترین روایت کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کا سہرا انہی کے سر ھے۔

الطاف بلاشبہ ازسرتاپا رومانی شاعر ھے۔ اسکا اسلوب فکر طریق انتخاب الفاظ اور کمال نگارش ھر صاحب ذوق سے خراج تحسین وصول کر لیتا ھے اور نوجوانوں کے دلوں کی دھڑکنیں اپنے اس ترجمان کے گیتوں کے اثر سے تیز تر ھو جاتی ھیں۔ اس کی شاعری الفاظ و معانی کی گرانباری کو روا نہیں رکھتی بلکہ نسیم سحر اور پہاڑی ندی کی طرح چلتی ھے۔ اور اس میں جوانی کا لاآبالیانہ پن۔ رومان کی جمال پرستی اور نغمۂ حیات کا لوچ نمایاں نظر آتا ھے۔ پھر اسکا احساس صرف رومان و شباب ھی کی وادیوں تک محدود نہیں۔ وہ کبھی کبھی حقائیق

حیات کے خارزاروں میں بھی آنکلتا ہے۔ اور مزدور کی بدحالی اور سرمایہ دار کی جفا کوشی پر بھی ایک نگاہ غلط انداز ڈال لیتا ہے۔ گویا اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ کہ اسکی ذکاوت حس صرف رومان کی آوارگی خیال ہی کی روادار نہیں۔ بلکہ وہ واقعی ذکی الحس ہے۔ اور زندگی کے درد حقائیق بھی اسکو بیقرار کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں۔ کہ الطاف مشہدی ہمارے شعرا کی صف اول میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ اور رومانی شاعری میں تو ان کی شاید ہی کوئی مثال ہو۔ مجھے یقین ہے۔ کہ ان کا یہ مجموعہ اہل نظر اور صاحبان ذوق کے پسند خاطر ثابت ہوگا۔

۱۵۔نومبر ۵۴ء عبدالمجید سالک

فہرست

نمبر	عنوان نظم			صفحہ
۱	دوشیزہ صحرا	..	..	۱
۲	کوٹھا	..	..	۴
۳	انتظار	..	..	۷
۴	معذرت	..	..	۹
۵	زمزمے	..	..	۱۱
٦	ترتیب افسانہ	..	..	۱۲
۷	کوہ مری	..	..	۱۷
۸	ایک تھی چرواہی	..	..	۱۸
۹	نسیم سحری	..	..	۲۲
۱۰	اور بستیاں ویران ہوگئیں		..	۲۴
۱۱	نکہت	..	..	۲۷
۱۲	بچھڑا ہوا ماضی	..	..	۲۹
۱۳	مری سے آگے	..	..	۳۴

نمبر	عنوان نظم			صفحہ
۱۴	میری زہرہ جبیں	..	..	۳۷
۱۵	ستاروں کی گفتگو	..	..	۳۹
۱۶	صراحی کی آغوش میں		..	۴۲
۱۷	مغویہ لڑکی	..	..	۴۴
۱۸	لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤگی معلوم نہ تھا			۴۶
۱۹	آنکھ مچولی	..	..	۵۰
۲۰	گذارش	..	..	۵۲
۲۱	آہ وہ دن	..	..	۵۴
۲۲	اے کاش	..	..	۵۹
۲۳	واپسی	..	..	۶۱
۲۴	ندی کنارے	..	..	۶۵
۲۵	دہاتی لڑکی شہری سیاح سے		..	۶۷
۲۶	وعدہ	..	..	۷۳
۲۷	مجاہد میخانہ	..	..	۷۴
۲۸	شاعر صنف نازک	..	..	۷۷
۲۹	وینس	..	..	۸۱

نمبر	عنوان نظم	صفحہ
۳۰	اے میرے ساقی	۸۳
۳۱	وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی ..	۸۷
۳۲	نبض شش جہات یا بوتل ..	۸۹
۳۳	دہاتی محبوبہ سے شہری سیاح کا خطاب	۹۲
۳۴	آہ وہ آنسو	۹۵
۳۵	ان کے جانے کی خبر سن کر ..	۹۷
۳۶	اختر جہاں	۹۹
۳۷	وہ کھیت میں آئیگی	۱۰۳
۳۸	دعوت نامہ	۱۰۶
۳۹	میرے حسین مسافر	۱۰۹
۴۰	دلکش مناظر	۱۱۳
۴۱	گاؤں کی حور	۱۱۵
۴۲	زاھد کم ظرف اور رندخرابات ..	۱۱۶
۴۳	توبہ	۱۱۹
۴۴	بیمار محبت	۱۲۱
۴۵	ھائے وہ رات	۱۲۳

صفحہ	عنوان نظم	نمبر
۱۲۵	میرے پیارے ماضی تو کہاں ہے	۴۶
۱۲۷	ایک افسانہ نویس خاتون کے شوہر کو دیکھکر	۴۷
۱۲۹	خیال کی بستی میں کون ہے ..	۴۸
۱۳۱	تیری آنکھوں میں وہی مستی ہے	۴۹
۱۳۴	جرات اظہار	۵۰
۱۳۶	جب بیت نواسی آنکھوں سے ..	۵۱
۱۳۸	چرواہی	۵۲
۱۴۰	مگر خدائی تیری	۵۳
۱۴۲	سلام لو	۵۴
۱۴۴	شادی یا نیلام	۵۵
۱۴۶	آخری خط	۵۶
۱۵۱	چوڑیوں والا	۵۷
۱۵۳—۱۶۰	قطعات	۵۸

"شاخِ گل"

دوشیزۂ صحرا

کھیت آ آ کے مرے پاؤں پہ سر رکھتے ہیں
بانسری ڈھونڈتی پھرتی ہے تجھے راتوں کو

لوٹ کر آؤ کہ ہر صحرا بنا ہے فردوس
میں نے آنکھوں میں جگا رکھا ہے برساتوں کو

گاؤں کی گلیاں بھی بیمار ہیں تیرے غم میں
سبز ٹیلوں نے تجھے یاد کیا اور روئے

میں ہی برباد نہیں صرف مرے پردیسی
تیری یادوں نے کئی آنکھوں میں آنسو بوئے

لیے کے جب اونٹ نکلتی ہوں میں صحراؤں میں
اک حسین جھنڈ کھجوروں کا مجھے کہتا ہے

سچ بتا او میرے سایوں سے لپٹنے والی!
کون سے دیس میں محبوب تیرا رہتا ہے

مست و شاداب فضاؤں کی روا حاصل ہے
مجھ کو رنگین دوپٹے کی نہیں ہے چاہت

جھلملاتے ہوئے ملبوس نہ لے کر آنا
ڈھونڈ لونگی تری بانہوں میں سمٹ کر راحت

ایک دوشیزہ کو رسوایاں دینے والے!
انگلیاں مجھ پہ شب و روز اٹھا کرتی ہیں

تازہ دم خون کی مانگوں نے مجھے گھیرا ہے
تھیلیاں میرے تعاقب میں رہا کرتی ہیں

دن ڈھلے جب بھی نکلتی ہوں اٹھا کر گاگر
تاڑتا رہتا ہے تادیر زمیندار مجھے

میرا احساس ہے مجروح اسی نشتر سے
کہیں برباد نہ کر ڈالے یہ آزار مجھے

سرخ ہونٹوں کے گلستاں میں بہار آئی ہے
باغباں بن کے حسیں پھولوں سے دامن بھر لو

بے سہارا ہوں نہیں مجھ سے حفاظت ممکن
لوٹ کر اپنی امانت کی حفاظت کرلو

کوٹھا

جسم و مے کی باس سے مہکا ہوا
جنس کا آتشکدہ دھکا ہوا

عصمتوں کے خون سے گلکاریاں
گنگناتی جھومتی پھلواریاں

کھیلتے ہیں ہاتھ یوں ملبوس سے
جیسے کھیلیں انگلیاں طاؤس سے

بے تکلف ہے جوانی سے شباب
اٹھنے والے ہیں دریچوں سے نقاب

آنکھ کے ساغر بہم چلتے ہوئے
ہونٹ ہونٹوں پر شفق ملتے ہوئے

آبگینوں کی طرف بڑھتی ہوئی
گول زینوں پر ہوس چڑھتی ہوئی

دم زدن میں منزلیں طے ہوگئیں
باہیں باہوں سے لپٹ کر سوگئیں

وادئی رنگیں میں لچکیلے ابھار
بن گئے جو پارسائی کا مزار

زانوؤں کے موڑ کچھ کہتے ہوئے
لذتوں کا زیر و بم سہتے ہوئے

مرمریں تالاب فوارہ بدوش
حسن کے سنگم میں نظارہ بدوش

برق‌وش بیدار کن عریانیاں
جام سے مانگی ہوئی نادانیاں

نرم راہیں، منزلیں نازک تریں
مست راہی، فاصلے بے حد حسیں

جاگ کر سویا ہوا ہر مرحلہ
رنگ میں کھویا ہوا ہر مرحلہ

نرم و نازک سی دعا دیتے ہوئے
جام ہونٹوں کو صدا دیتے ہوئے

آن کی نیلام گاہیں جلوہ پاش
دیکھئے تاریخ کے رخ پر خراش

آنکھ ملتے ہی شرابی ہوگئی
سرخ باہوں میں ریاضت سوگئی

گرم آغوشوں میں پھلواری خموش
وقت کے سینے میں چنگاری خموش

جام صہبائے ہوس چھلکا ہوا
آدمیت کا کفن ڈھلکا ہوا

دودھ اور سیندور کے انسان دیکھ
نان کی تحویل میں ایمان دیکھ

انتظار

ادائے خاص سے لب پر دیئے جلاتی ہوئی
شفق کدے میں شعاعوں کے گل کھلاتی ہوئی

ہر ایک گام پہ رومان ساتھ دیتا ہوا
کہانیوں کو نگاہوں سے گدگداتی ہوئی

تصورات کی رنگیں فضا میں غسل کئے
حسین خواب کا ماحول ساتھ لاتی ہوئی

گلاب عارض گلگوں میں مسکراتا ہوا
رگوں میں لیلیٔ فطرت ملار گاتی ہوئی

چمن کی سرخ قبا اوڑھنے میں ہے مصروف
شعاع مہر کے طاؤس کو بجاتی ہوئی

ہر ایک جھونکے کے زانو پہ پھلجھڑی رکھ کر
ہوا میں طور کی تابندگی لٹاتی ہوئی

اداس راہوں میں اجڑے ہوئے مناظر پر
خرامِ ناز سے کچھ جنتیں بچھاتی ہوئی

گداز باہوں پہ چوڑے کا ساز بجتا ہوا
رسیلی دھن میں کوئی راگ گنگناتی ہوئی

ستارے پھول، شعاعوں کی سیمتن پریاں
لبوں میں وادئ کشمیر کھلکھلاتی ہوئی

نظر میں جاگی ہوئی میکدے کی شادابی
نشیلی چاندنی پلکوں میں تھر تھراتی ہوئی

جلوہ میں طور کی تابانیاں سنبھالے ہوئے
نسیم آئیگی اک روز مسکراتی ہوئی

معذرت

حجاب و شرم کی گرھوں کو اکثر کھول لیتے تھے
مری عریانیوں کو ساغروں میں گھول لیتے تھے

مرے آنسو شبستان ھوس میں جگمگاتے تھے
مری دوشیزگی کے خوں سے آپ اکثر نہاتے تھے

لبوں ھی سے لبوں پر اک غزل تصنیف کرتے تھے
مری تشہیر کی خاطر بڑی تکلیف کرتے تھے

لپٹنے کا سماں کتنا جنوں انگیز ھوتا تھا
تصادم کے نتیجے میں تنفس تیز ھوتا تھا

ھر اک عارض گلگوں جلا رکھے تھے محلوں میں
سراپاؤں کے آئینے سجا رکھے تھے محلوں میں

ہزاروں ادھ کھلی کلیاں نچوڑیں ساغرِ مے میں
کئی چیخوں کو مدغم کر لیا ہنستی ہوئی لے میں

حسیں گولائیوں کا رقص شیرینی کا حامل تھا
گلابی پنڈلیوں کا ناچ رنگینی کا حامل تھا

حضور اکثر سخاوت کے لئے بستی میں جاتے تھے
بلندی کے سہارے ڈھونڈنے پستی میں جاتے تھے

حضور آغوش میں پھلواریوں کو بھینچ لیتے تھے
کھنک کی گود میں ناداریوں کو بھینچ لیتے تھے

مگر افسوس ہے آقائے غیرت! فاتح عصمت!!
نہ کی میں نے ضرورت کے مطابق آپ کی خدمت

زمزمے

ہوا کے دوش پہ تارے بکھیرنے والو
پڑے ہیں ہم بھی نظارے بکھیرنے والو

لبوں پہ لپٹی ہوئی صبح سیمگوں کی خیر
دکھے دلوں میں شرارے بکھیرنے والو

ہماری کشتی پہ ساحل کی قید خوب نہیں
کرو نہ ظلم کنارے بکھیرنے والو

خرام ناز کی ہیں منتظر حسین گلیاں
چمن فروش طرارے بکھیرنے والو

فضا اداس، اندھیرا، دیار دل ویران
ہنسی ہنسی میں ستارے بکھیرنے والو

شفق کدے سے حسیں بھیک مجھ کو لینے دو
دھن سے پھولوں کے دھارے بکھیرنے والو

بس اک نظر کا سہارا بقدر تشنہ لبی
شراب بار سہارے بکھیرنے والو

فقط تمہارے لئے جنتیں بسائی تھیں
سہانے خواب ہمارے بکھیرنے والو

کبھی سے قسمتوں کی تیرگی ہے چشم براہ
سحر کے مست نظارے بکھیرنے والو!

ترتیب افسانہ

آنکھوں کی وسعتوں میں جادو کوئی جگا لو
خوابوں کی چلمنوں میں دوشیزگی چھپا لو
بیتاب ہیں ستارے ان کو گلے لگا لو

ہونٹوں پر اک تبسم لانا نہ بھول جانا
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانا

اک دو قدم اٹھا کر راہوں میں نور بھر دو
تاریک ساعتوں کی رگ رگ میں طور بھر دو
نادان ہیں مناظر ان میں شعور بھر دو

لمحات کی جبیں پر رکھ دو نگار خانہ
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانہ

بربط کو گدگداؤ موسیقیوں سے کھیلو
انگڑائیوں میں ڈھل کر گیتوں کا روپ لے لو
شاعر کی آرزو پر زحمت ذرا سی جھیلو

بن کر ذرا دکھا دو نرم و حسیں ترانا
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانا

کچھ میکدے سجا لو پلکوں کے زیر و بم پر
کرنوں کے پھول چن لو زلفوں کے پیچ و خم پر
جلووں کی بجلیاں کچھ ماحول کے ستم پر

خوشبو کے پیرہن میں ہر سمت پھیل جانا
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانا

پائل کے چند نغمے گلیوں میں بانٹ ڈالو
خوابیدہ ٹھمریوں کو پازیب میں جگا لو
جوڑے کی راگنی کو دیپک کی لے سکھا لو

ہر گام پر قیامت چلتے ہوئے اٹھانا
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانا

کچھ مسکراہٹوں میں ابھرے ہوئے ستارے
نازک کلائیوں کے نازک تریں سہارے
رومان سوئے سوئے اونگھے ہوئے نظارے

ایسے ہی کچھ مناظر ہمراہ لے کے آنا
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانا

پگڈنڈیوں پہ جھومو راہوں میں لڑکھڑاؤ
ہر ہر روش پہ چہکو ہر ہر قدم پہ گاؤ
میخانے ساتھ لے کر ان وادیوں میں آؤ

ویران زندگی میں شاداب ہو کے آنا
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانا

ندی کے پانیوں میں ٹخنوں کا رنگ گھو لو
روپہلی پنڈلیوں کو ہاتھوں سے مل کے دھو لو
لہروں کے زیر و بم پر گلشن کا باب کھو لو

پانی کی سلوٹوں کو ہنس کر گلے لگانا
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانا

مجھ سے قریب کر دو آوارگی کی جنت
باہوں کے سرخ ہالے اور اک طویل فرصت
ہونٹوں کی وادیوں میں پھیلی ہوئی حلاوت

بد مست انکھڑیوں میں لے کر شراب خانہ
ترتیب دے رہا ہوں رنگین تر فسانہ

کوہ مری

کہیں جذبات کا طوفان چونکا
کہیں کوئی نیا رومان چونکا

کہیں پازیب نے نغمے بکھیرے
کہیں ہونٹوں پہ لہرائے سویرے

کہیں ہر گام میخانے کا حامل
کہیں ہر موڑ افسانے کا حامل

کہیں جلوہ کوئی اک مسکرایا
کہیں انوار کا سیلاب آیا

کہیں کالی گھٹا نے زلف کھولی
کہیں دوشیزۂ انگور بولی

کہیں کوئی مدھر سر تلملایا
کہیں کوئی ترانہ مسکرایا

فضا خلد مجسم ہو رہی ہے
مگر شاعر کی قسمت سو رہی ہے

ایک تھی چرواہی

کل تک تم ایک مدھر لے تھیں گیتوں کے سہارے حاصل تھے
ہونٹوں پہ شفق لہرائی تھی پھولوں کے نظارے حاصل تھے
آنکھوں میں نہیں تھی طغیانی ندی کو کنارے حاصل تھے

اور آج بیابانوں کی طرح خاموش ہوں میں ویران ہو تم
یہ جینا بھی کیا جینا ہے برباد ہوں میں حیران ہو تم

رومان پلا کرتے تھے کبھی پربت کے اندھیرے غاروں میں
بنسی کی تان نکھرتی تھی نغموں کے شوخ طراروں میں
رنگینیاں بھرتے تھے ہم تم باغوں کی مست بہاروں میں

یہ درد، یہ غم، یہ مایوسی، کبتک، آخر انسان ہو تم
یہ جینا بھی کیا جینا ہے برباد ہوں میں حیران ہو تم

تقدیر بھی برہم ہے مجھ سے آوارہ اور بدنام بھی ہوں
محروم سحر ہے جو ابتک وہ شام الم انجام بھی ہوں
منزل ہے کہاں کیا مجھ کو خبر ناشاد بھی ہوں ناکام بھی ہوں

یہ اونچی نیچی راہیں ہیں ناواقف اور انجان ہو تم
یہ جینا بھی کیا جینا ہے برباد ہوں میں حیران ہو تم

کیوں نبضیں بیٹھی جاتی ہیں یہ دل کا دھڑکنا ٹھیک نہیں
اک دیوانے شاعر کے لئے گلیوں میں بھٹکنا ٹھیک نہیں
ان آنکھوں سے میری خاطر اشکوں کا ٹپکنا ٹھیک نہیں

چاہت کا روگ ہے زہریلا، چاہت ہے تمہیں، نادان ہو تم
یہ جینا بھی کیا جینا ہے برباد ہوں میں حیران ہو تم

ان سونے سونے ٹیلوں پر کچھ روز جوانی آئی تھی
میخانہ پہلو میں لے کر بدمست گھٹا لہرائی تھی
اک چرواہی صحرا صحرا برکھا کا سندیسہ لائی تھی

اور آج تمہارا حال ہے یہ صحرا کی طرح سنسان ہو تم
یہ جینا بھی کیا جینا ہے برباد ہوں میں حیران ہو تم

بھیڑوں کو اپنی الفت کا تم نے آزار لگایا تھا
چشموں کو آنسو سونپے تھے ندی کو بین سکھایا تھا
پربت پر آگ بکھیری تھی ٹیلوں میں سوز بچھایا تھا

اب رنج و الم ہیں چاروں طرف اور ایک اکیلی جان ہو تم
یہ جینا بھی کیا جینا ہے برباد ہوں میں حیران ہو تم

کھیتوں کی حسیں پگڈنڈی پر جنت کی بہاریں لیٹی تھیں
جھونکوں پر گیسو پھیلا کر مخمور پھواریں لیٹی تھیں
قدموں میں سجدہ کرنے کو پھولوں کی قطاریں لیٹی تھیں

افسوس بہاروں کی دیوی افسوس کہ اب حیران ہو تم
یہ جینا بھی کیا جینا ہے برباد ہوں میں حیران ہو تم

اے چرواہی! آ ساتھ مرے ہم چھوڑ کے ان جنجالوں کو
سینے میں چھپا کر آندھی کو ہاتھوں میں لئے بھونچالوں کو
ٹکڑوں میں بدل دیں ہنس ہنس کر بیکار حدوں کے تالوں کو

بپھرے ہوئے خونی بھیڑیوں کو آگاہ کریں انسان ہو تم
یہ جینا بھی کیا جینا ہے برباد ہوں میں حیران ہو تم

نسیم سحری

لبوں پہ ایک ترانہ سمٹ کے سویا ہوا
نظر میں ایک فسانہ سمٹ کے سویا ہوا

رخ جمیل میں کچھ طور گنگناتے ہوئے
لبوں کے موڑ پہ کچھ پھول مسکراتے ہوئے

حسین راگنی پلکوں میں تھر تھراتی ہوئی
سیاہ زلف گھٹاؤں پہ مسکراتی ہوئی

ہنسی میں چاند ستاروں کے ان گنت ٹکڑے
نفس نفس میں بہاروں کے ان گنت ٹکڑے

رگوں سے جھانکتی ہے کوئی اک شفق زادی
روئیں روئیں میں ہے موسیقیوں کی آبادی

نچکتی انگلیاں کرنوں کے روپ میں دیکھو
گلابی چہرے کو جلوؤں کی دھوپ میں دیکھو

پڑھے گی نظم نسیم اور مسکرائیگی
فلک پہ چاند ستاروں کو نیند آئیگی

اور بستیاں ویران ہو گئیں

مخملیں باہوں کے لچکیلے سہارو الوداع
دامن دل کھینچنے والے نظارو الوداع

زندگی کی فرصتیں حیران ہو کر رہ گئیں
جانے والے! بستیاں ویران ہو کر رہ گئیں

سیمگوں جلوؤں کے بربط پر گاؤنگا کبھی
اب جھکی پلکوں کے دھوکے میں نہ آؤنگا کبھی

کیا گئے تم محفلیں سنسان ہو کر رہ گئیں
جانیوالے! بستیاں ویران ہو کر رہ گئیں

وقت کی ہموار پیشانی پر ابھریں سلوٹیں
آنکھ کی ندی میں طوفانوں نے بدلیں کروٹیں

آنسوؤں کی بارشیں انسان ہو کر رہ گئیں
جانیوالے ! بستیاں ویران ہو کر رہ گئیں

تم گئے جس دیس میں وہ طور بن کر رہ گیا
اپنا جینا آف مگر ناسور بن کر رہ گیا

دھڑکنیں ماحول کی بے جان ہو کر رہ گئیں
جانیوالے ! بستیاں ویران ہو کر رہ گئیں

قہقہ ٹھنڈی ہوا میں اب کبھی گونجا نہیں
ایک نغمہ تک فضا میں اب کبھی گونجا نہیں

سسکیاں لیکن بہت آسان ہو کر رہ گئیں
جانیوالے! بستیاں ویران ہو کر رہ گئیں

راستے گونگے ہوئے گلیاں بھی کفنائی گئیں
ترتیبیں بستی کے زیر و بم پہ پھیلائی گئیں

جلوہ گاہیں بے سر و سامان ہو کر رہ گئیں
جانیوالے ! بستیاں ویران ہو کر رہ گئیں

کون ہے جو آج میرا بیکسی میں ساتھ دے
چھپ گیا ہے چاند کوئی تیرگی میں ساتھ دے

ظلمتیں گھر میں مرے مہمان ہو کر رہ گئیں
جانیوالے ! بستیاں ویران ہو کر رہ گئیں

نکہت

سر زمین گجرات کو سلام، جس نے ''سوھنی،، کے بعد ''نکہت،، کے پیکر جمیل کی تخلیق سے ''دیار حسن و عشق،، کا مرتبہ حاصل کرلیا۔

مری نکہت! ترے گجرات کی راتوں کا کیا کہنا
شراب و شعر میں ڈوبی ہوئی راتوں کا کیا کہنا

ترا پیمان میری آرزؤں کا سہارا ہے
مری تقدیر کا میرے مقدر کا ستارا ہے

تری رفتار کی مستی شرابوں کے جزیرے میں
تری تصویر آویزاں ہے خوابوں کے جزیرے میں

ترے ہونٹوں کی نکہت باد بہاری ہے
تری زلفوں کا بادل وصل کی راتوں پہ بھاری ہے

تری آنکھوں سے پی کر لڑ کھڑانا سب کو پڑتا ہے
تری قربت میں رہ کر گنگنانا سب کو پڑتا ہے

مرے گیتوں پہ ہوتا ہے گماں تیری کہانی کا
مرے اشعار میں پر تو سہی تیری جوانی کا

ترے راہوں کو میں سجدوں کے پھولوں سے سجاؤنگا
مگر تیرا حقیقی نام ہونٹوں پر نہ لاؤنگا

کئی ساون ہیں آنکھوں میں مگر میں رو نہیں سکتا
مری نکہت ! تجھے رسوا کروں یہ ہو نہیں سکتا

بچھڑا ہوا ماضی

اب گلیوں میں پازیب کی جھنکار نہیں ہے
کھیتوں میں میرے عشق کی بیمار نہیں ہے
پنگھٹ پہ بھی وہ سادہ و پرکار نہیں ہے

حالات کے چہرے سے ذرا پردہ اٹھا دے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہیں

کیا ڈھوروں کے ہمراہ کہیں دور گئی ہے
سرسبز علاقوں میں میری حور گئی ہے
میں جانتا ہوں ہو کے وہ مجبور گئی ہے

اللہ ! میرے ملک کو شاداب بنا دے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہیں

کیوں هونٹوں کی جنت میں تبسم کی کمی ہے
چوڑوں کی زبانوں میں تکلم کی کمی ہے
تہبند کی سرسر میں ترنم کی کمی ہے

اک ''جان ترنم،، هو تو سب روگ مٹادے
اے آجڑے هوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رهی هیں

هر بام هے ویران نہیں طور کا عالم
دیواروں کے سائے میں کہاں نور کا عالم
ماحول پہ هے اک شب دیجور کا عالم

کوئی مجھے بچھڑے هوئے سے ملا دے
اے آجڑے هوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رهی هیں

چرواهوں کو بنسی سے کوئی کام نہیں هے
ٹیلوں کی حسیں اوٹوں میں آرام نہیں هے
اب گیتوں سے معمور کوئی شام نہیں هے

اے وقت مری راہ سے یہ شامیں ہٹا دے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہے

ہر اونٹ کی گھنٹی پہ ہے نیندوں کی سواری
بھیڑوں کی حسیں ٹولیاں ہیں درد کی ماری
اک سوز بھرا کیف کجھوروں پہ ہے طاری

پیڑوں کے ہیں جھلسے ہوئے رنگین لبادے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہے

دریاؤں کے آئینہ میں گلکاری کہاں اب
پگڈنڈی کی آغوش میں پھلواری کہاں اب
صحراؤں کی وسعت میں فسوں کاری کہاں اب

برباد منازل ہیں تو ویران ہیں جا دے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہیں

دامن میں فسوں کار نظاروں کو سمیٹے
اس ملک کی شاداب بہاروں کو سمیٹے
چلدی ہے وہ پلکوں میں ستاروں کو سمیٹے

سینے میں سنبھالے ہوئے مجروح ارادے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہیں

پردیس میں بے داغ رہے تیری جوانی
ڈس لے نہ تجھے کوئی ہوسناک کہانی
بن جائے نہ تو شہد سے امچور کا پانی

زہریلا تمدن نہ تجھے زہر پلا دے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہیں

آقاؤں کی آبادی میں بکتی ہے شرافت
گدرائے ہوئے جسموں کی ہوتی ہے تجارت
اک بھیس میں رہتی ہیں ہوس ہو کہ محبت

ناپاک فضا تجھ کو نہ یہ روگ لگا دے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہیں

صحراؤں کی شہزادی ! خدا تیرا محافظ
بربادوں کی آبادی ! خدا تیرا محافظ
اے شام و سحر زادی! خدا تیرا محافظ

اللہ تیری مشکلیں آسان بنا دے
اے اُجڑے ہوئے گاؤں مجھے اتنا بتا دے
ویرانیاں کیوں خون تیرا چاٹ رہی ہیں

مری سے آگے

گئے ہیں جو منزل غم عشق کو وہ جادے بدل دئیے ہیں
ہوئی ہے مدت کہ میں نے اپنے حسین ارادے بدل دئیے ہیں

مگر کوئی مہوش حسینہ کھڑی ہے بیتاب وادیوں میں
کوئی مرا منتظر ہے ابتک مری کی شاداب وادیوں میں

حسین نگاہ ہو، شگفتہ چہرہ، گلابی آنکھو مجھے نہ چھیڑو
میں خود بھی اک آگ پی رہا ہوں شرابی آنکھو مجھے نہ چھیڑو

امنڈ پڑا ہے بھڑکتے شعلوں کا ایک سیلاب وادیوں میں
کوئی مرا منتظر ہے ابتک مری کی شاداب وادیوں میں

ان اونچی اونچی پہاڑیوں سے پرے مرے عزم کا جہاں ہے
رکا ہوا بس مرے لئے ہی حیات پیہم کا کارواں ہے

مرا ارادہ مجھے لئے جا رہا ہے بیخواب وادیوں میں
کوئی مرا منتظر ہے اب تک مری کی شاداب وادیوں میں

مری کی سرسبز وادیوں میں چہکنے والے حسین لوگو
چھلکتی مینا سے دور رہ کر بہکنے والے حسین لوگو

کھلیں گے جنت کے میرے ہاتھوں جدید ابواب وادیوں میں
کوئی مرا منتظر ہے ابتک مری کی شاداب وادیوں میں

وہ وقت ہم سے قریب تر ہے کہ خلدزاروں میں جابسیں گے
سنبھال کر بربط محبت ہم آبشاروں میں جابسیں گے

کھلے گا انسانیت کا پرچم حسین و نایاب وادیوں میں
کوئی مرا منتظر ہے ابتک مری کی شاداب وادیوں میں

حسین و نایاب، وادیوں میں کبھی نہ سورج غروب ہوگا
فضا میں کرنوں کی مست پریوں کا رقص دیکھیں گے خوب ہوگا

حیات شوخ و جواں رہے گی بشکل سیماب وادیوں میں
کوئی مرا منتظر ہے ابتک مری کی شاداب وادیوں میں

میری زہرہ جبیں

یہی ماحول اُسے گود میں لے کر جھوما
اسی وسعت نے اُسے بھینچ کر اکثر چوما

انہیں راہوں نے اُسے مست خرامی دی تھی
انہیں گلیوں نے اُسے جھک کے سلامی دی تھی

وہ گزرتی تھی تو نغمات بکھر جاتے تھے
وقت کی گود میں باغات بکھر جاتے تھے

مست جلوؤں نے اُسے طور بنا کر چھوڑا
شوخ اداؤں نے اُسے حور بنا کر چھوڑا

اُس کی پائل میں شرابوں کا بسیرا دیکھا
اُس کی پازیب کا ڈیرا دیکھا

اُس کی زلفوں میں کئی شامیں سمٹ جاتی تھیں
اُس کے ہونٹوں سے حسیں صبحیں لپٹ جاتی تھیں

سبز کھیتوں نے اُسے زیست کا سامان سمجھا
گلستانوں نے اُسے جانِ گلستان سمجھا

لب گلرنگ میں ان دیکھی پھبن رہتی تھی
بانسری اُس کے قصاید میں مگن رہتی تھی

کون سی بستی میں آباد ہے معلوم نہیں
میری اقبال مری ماہ لقا زہرہ جبیں

ستاروں کی گفتگو

شاعر برباد ! میخانے کے دیرینہ مکیں
تیرے قدموں پر تھی کل تک ماہ پاروں کی جبیں
آہ یہ مجروح نغمے تیرے نغمے تو نہیں

زمزموں سے اب مٹے انگور کی بارش کہاں
مجھ سے کرتے ہیں ستارے رات بھر سرگوشیاں

رینگتے تھے تیرے شانوں پر کبھی زلفوں کے ناگ
تیرے سینے پر جلا کرتی تھی رخساروں کی آگ
تیرے گیتوں کے سہارے پر تھے موسیقی کے بھاگ

آج آنکھوں سے رواں ہے آنسوں کا کارواں
مجھ سے کرتے ہیں ستارے رات بھرسر گوشیاں

محفلیں تیری خوشی میں دلہنیں بنتی رہیں
اور قدمبوسی کو راہیں جنتیں جنتی رہیں
مست نظروں کی قناتیں چار سو تنتی رہیں

لیٹی رہتی تھی تری گلیوں میں سہمی کہکشاں
مجھ سے کرتے ہیں ستارے رات بھر سرگوشیاں

تیری یادوں سے گلے مل کر کوئی روتا نہیں
پنگھٹوں پر ذکر تیرا اب کبھی ہوتا نہیں
کھول کر آنکھیں تیری خاطر کوئی سوتا نہیں

بانسری کے ہونٹ سی ڈالے گئے ہیں ناگہاں
مجھ سے کرتے ہیں ستارے رات بھر سرگوشیاں

اک حسینہ دل کی دھڑکن کا جسے آزار تھا
تجھ پہ وہ قرباں تھی اور اس کا تو بیمار تھا
باپ جس کا مدتوں سے مفلس و نادار تھا

پیٹ کے تنور میں وہ بن گئی نیلا دھواں
مجھ سے کرتے ہیں ستارے رات بھر سرگوشیاں

گلستاں جو تیرے استقبال کو آتے رہے
بھر کے دامن میں شمیم جانفزا لاتے رہے
کھیت جو تیرے پرستاروں کا غم کھاتے رہے

ہوگئے ہیں اب سنہری ناگ اُن پر حکمراں
مجھ سے کرتے ہیں ستارے رات بھر سرگوشیاں

شاعر آتش نفس ! اب ساتھ اس کا چھوڑ دے
وقت کے پتھر سے ٹکرا کر صراحی توڑ دے
آدمی کا آدمی سے ٹوٹا رشتہ جوڑ دے

ایک ہی مرکز پر آجائیں قفس اور آشیاں
مجھ سے کرتے ہیں ستارے رات بھر سرگوشیاں

صراحی کی آغوش میں

بکھرنے لگیں گیسوؤں کی گھٹائیں
نگاہوں سے کہدو شرابیں لٹائیں

لبوں پر ہوں رقصاں تبسم کی صبحیں
شبابوں میں انگڑائیاں گنگنائیں

گھلیں مست جھونکوں میں خوابوں کے جادو
مناظر کوئی رس بھرا گیت گائیں

ہر اک گام پر میکدے کھل رہے ہوں
فسانے ہر اک موڑ پر مسکرائیں

دریچوں سے شادابیاں جھانکتی ہوں
در و بام دیتے ہوں رنگین صدائیں

میسر ہوں ہنگام بادہ پرستی
سہکتے ہوئے آنچلوں کی ہوائیں

فضاؤں میں ناچیں ترنم کی پریاں
ترنم میں شیرینیاں سر سرائیں

گلستان آ گلتی ہوں بدمستیوں میں
سہکتے ہوئے گیسوؤں کی گھٹائیں

نشیلے نشیلے ترانوں کے شیشے
گریں دست قدرت سے اور ٹوٹ جائیں

لچکتی ہوئی نرم باھوں کے ھالے
جھجھکتی ہوئی گردنوں کو بلائیں

یہ منظر ہو الطاف اور ہم سمٹ کر
صراحی کی آغوش میں ڈوب جائیں

مغویہ لڑکی

گل گلاب مگر گلستان سے دور کہیں
حسین پرند مگر آشیاں سے دور کہیں

نگاہ ناز مگر آنسوؤں کی چلمن میں
خوشی کا راز مگر آنسوؤں کی چلمن میں

نشیلی تان مگر سسکیوں کے پہرے میں
سلونا گیت مگر ہچکیوں کے پہرے میں

فرازِ طور مگر ظلمتوں کی پستی میں
مسافر ایک کوئی بھیڑیوں کی بستی میں

شعاع نور مگر بادلوں میں کھوئی ہوئی
ارم کی حور کہیں رہگذر پہ سوئی ہوئی

حسیں بہار مگر زردیوں کے پہلو میں
بسنت ٹھٹھری ہوئی سردیوں کے پہلو میں

ہنسی کا پاک اجالا سیاہ پردوں میں
سپید و سرخ شوالا سیاہ پردوں میں

رخ حیات سے تنویر چھین لی تم نے
ہوس کے ہاتھ میں تاریخ بیچ دی تم نے

خجالتوں کی سیاہی ملی جبینوں پر
لہو لئے ہوئے عصمت کا آستینوں پر

تمہارے چہروں پہ شرمندگی کا غازہ ہے
تمہاری زندگی اٹھتا ہوا جنازہ ہے

لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤ گی معلوم نہ تھا

جو مقدر میں ہو تحریر وہی ہوتا ہے
میری بیداری میں مقسوم مرا سوتا ہے
دیکھ کر مجھ کو یہ ماحول لہو روتا ہے

تم مری زیست پہ چھا جاؤ گی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤ گی معلوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤ گی معلوم نہ تھا

اک حسیں جسم کی خوشبو ہے فضا میں ابتک
گلستاں تیرے ہیں باد صبا میں ابتک
تم نہیں لوچ تمہارا ہے ہوا میں اب تک

ان حسین یادوں سے تڑپاؤ گی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤ گی معلوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤ گی معلوم نہ تھا

گیت اک درد بھرا ہونٹوں سے برساتے ہوئے
اپنے ہاتھوں میں حسیں ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے
میں نے اللہ کو سونپا تھا تمہیں جاتے ہوئے

اپنے اللہ سے پھر جاؤ گی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤ گی معلوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤ گی معلوم نہ تھا

عید آئی تھی مگر اپنی تو یہ عید نہ تھی
تیرہ و تار فضا حامل خورشید نہ تھی
مجھ کو برباد کرو گی مجھے آمید نہ تھی

عید کے روز بھی ترساؤ گی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤ گی معلوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤ گی معلوم نہ تھا

کسقدر موت کو اپنانے میں آسانی ہے
میں نے بھی مان لیا اب کہ جہاں فانی ہے
اب مری زیست کسی دشت کی ویرانی ہے

اپنے اس ظلم پہ اتراؤگی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤگی معلوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤگی معلوم نہ تھا

درد آلود فضا طاری ہے سارے گھر میں
قہقہ تک نہیں گونجا کبھی پیارے گھر میں
حسرت و یاس مسلط ہے تمہارے گھر میں

گھر کو ٹھکرا کے چلی جاؤگی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤگی معلوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤگی معلوم نہ تھا

کیا ممکن نہیں بھولے سے مجھے یاد کرو
میرے اجڑے ہوئے ماحول کو آباد کرو
میں تمہیں چاہتا ہوں مجھ کو نہ برباد کرو

میرے خوابوں سے بھی چھن جاؤ گی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤ گی معلوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤ گی معلوم نہ تھا

میری راتوں کو تھپکتا نہیں کوئی افسوس
میرے خوابوں میں دھڑکتا نہیں کوئی افسوس
پیار کی آنکھ سے تکتا نہیں کوئی افسوس

رحم تک مجھ پہ نہ تم کھاؤ گی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤ گی معنوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤ گی معلوم نہ تھا

مجھ سے چھینو نہ آمیدوں کا سہارا نکہت
آ بھی جاؤ کہ نہیں صبر کا یارا نکہت
میں برا ہوں کہ بھلا ہوں تو تمہارا نکہت

اپنے الطاف کو ٹھکراؤ گی معلوم نہ تھا
چھوڑ کر مجھ کو چلی جاؤ گی معلوم نہ تھا
لوٹ کر پھر نہ کبھی آؤ گی معلوم نہ تھا

آنکھ مچولی

نیند کی نازک حسینہ مستیوں کی گود میں
جیسے اک دوشیزہ جھومے بستیوں کی گود میں

ناچتی ہے جیسے پیمانوں میں اک رنگین شے
اے تجسس ! کون ہے یہ کون ہے

اک معطر سرسراہٹ ایک جھونکا سحر بار
جیسے ہولے سے گلستاں میں اتر آئے بہار

جیسے کانوں میں مچلتی ہے کوئی پر کیف لے
اے تجسس ! کون ہے یہ کون ہے

کنواری کلیوں کے چٹکنے کی صدائے دلنشیں
جیسے جاموں کے کھنکنے کی صدائے دلنشیں

راگنی قلقل کی جیسے گا کے اٹھلاتی ہے مے
اے تجسس ! کون ہے یہ کون ہے

ایک پھلواری خرام ناز کے انداز میں
جیسے گوری انگلیاں بھر دیں ترنم ساز میں

گنگناتا ایک بربط گنگناتی ایک نے
اے تجسس ! کون ہے یہ کون ہے

کون ہے جس نے فضا میں گھول دیں شیرینیاں
کون ہے قدموں میں جس کے بچھ گئیں رنگینیاں

کون میرے ساز دل کو چھیڑتا ہے پے بہ پے
اے تجسس! کون ہے یہ کون ہے

گذارش

میری بے لوث محبت کی شکایت نہ کرو
میرے ہمدرد عزیزو ! یہ عنایت نہ کرو

میری محبوب ابھی واقف آلام نہیں
اس کی شاموں میں کوئی درد بھری شام نہیں

سرخ ہونٹوں سے بہت دور ہیں غم کے سائے
مست آنکھوں میں ابھی اشک نہیں لہرائے

اک سزا وار محبت سے جفا کرتے ہو
درد کا روگ جوانی میں عطا کرتے ہو

اس کے انفاس سے شعلوں کا تعارف نہ کراؤ
اس کی پلکوں میں المناک فسانے نہ چھپاؤ

اس کے رخسار ہیں مدھوش بہاروں کی نوید
اس کی پیشانی سے چھینو نہ طلوع خورشید

وہ مری زیست میں آتری ہے سہارا بن کر
مسکرائی ہے مقدر کا ستارا بن کر

میری تاریک فضاؤں کو اجالا بخشا
رات کے منہ شعاعوں کا نوالا بخشا

میرے ماحول پہ انگڑائیاں بل کھانے لگیں
منزلیں میرے قدم چومنے کو آنے لگیں

نعمت مکر و ریا سے ابھی محروم ہے وہ
رحم کھاؤ کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ

ظلم کی بخشی ہوئی رات نہیں بھولوں گا
آپ کے لطف و عنایات نہیں بھولوں گا

میری بے لوث محبت کی شکایت نہ کرو
میرے ہمدرد عزیزو ! یہ عنایت نہ کرو ۔

آہ وہ دن

تیری یادوں نے رسوا کر دیا مجھ کو زمانے میں
جہاں بیکسی آباد ہے میرے فسانے میں
مجھے رونے کی لذت مل رہی ہے مسکرانے میں

کبھی گاتی ہوئی راہوں میں ہم نے گیت گائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت ! مری برباد و رسوا اب کہاں ہے تو

عزیزوں کی محبت نے نگل لیں راحتیں اپنی
اجڑ کر رہ گئیں بسنے سے پہلے جنتیں اپنی
زمانے میں ہوئیں برباد و رسوا اُلفتیں اپنی

ابھی کل تک ہماری روح پر خوابوں کے سائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت! مری برباد و رسوا اب کہاں ہو تم

بٹی جاتی ہے میری زندگی اب سرد آہوں میں
مجھے احباب نے روتے ہوئے دیکھا ہے راہوں میں
مری رسوائیوں کے تذکرے ہیں شاہراہوں میں

تصور میں کبھی ہم نے گھروندے بھی بنائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت ! مری بربا و رسوا اب کہاں ہو تم

وہ گلیاں جن کی پلکوں نے ترے قدموں کو چوما تھا
وہ گلیاں جن پر اکثر کارواں حسن جھوما تھا
ترا بیمار دل تھامے ہوئے راتوں کو گھوما تھا

انہیں گلیاں نے تیری یاد میں آنسو بہائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائےتھے
مری نکہت ! مری برباد و رسوا اب کہاں ہو تم

تری ہمجولیاں گیتوں میں تیرا نام لیتی ہیں
حسیں یادوں میں گم ہو کر کلیجہ تھام لیتی ہیں
تری چاہت کا خود پر جھوم کر الزام لیتی ہیں

کبھی ان غمزدوں نے تجھ سے مل کر گیت گائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت! مری برباد و رسوا اب کہاں ہو تم

ہمارے عشق میں حائل ہوئی دیوار مذہب کی
ہماری گردنوں پر چل گئی تلوار مذہب کی
بڑھی بربادیوں سے رونق بازار مذہب کی

وہی مذہب کہ جس کی گود میں جنت کے سائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت! مری برباد و رسوا اب کہاں ہو تم

مری آنکھوں میں ساون گا رہی ہے مست برساتیں
مقدر پر مسلط ہو چکی ہیں سانولی راتیں
لبوں پر خیمہ زن ہیں درد میں ڈوبی ہوئی باتیں

کبھی کبھی باھوں میں باھیں ڈال کر ہم گنگنائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت! مری برباد و رسوا اب کہاں ہو تم

ترانوں کی نشیلی وسعتوں میں کھو گئی ہے تو
تخیل کے حسین زانو پہ اکثر سو گئی ہے تو
مرے اشعار میں گویا مجسم ہو گئی ہے تو

مرے ویران نغمے تیری یادوں نے بسائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت! مری برباد و رسوا اب کہاں ہے تو

قسم ہے تیری اُلفت کی کہ تن من تجھ پہ واروں گا
تجھے ہر سو زمانے میں صدا دونگا پکاروں گا
میں اپنی زندگی کو رونے رونے میں گذاروں گا

گئے وہ دن ہم جی کھول کر راتوں کو گائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت! مری برباد و رسوا اب کہاں ہے تو

قسم آن نرم باھوں کی جو گردن کا سہارا تھیں
قسم نظروں کی جو میرے مقدر کا ستارا تھیں
قسم ھونٹوں کی جن سے جنتیں تک آشکارا تھیں

کہ تیری راہ میں الطاف نے آنسو بہائے تھے
کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم مسکرائے تھے
مری نکہت! مری برباد و رسوا اب کہاں ھو تم

اے کاش

پتھر پہ ڈال دوں جو اُچٹتی ہوئی نگاہ
تعمیر ایک پل میں ہو ساقی کی بارگاہ

پھولوں کی پتیوں میں ہوں ملبوس بوتلیں
اُڑتی ہوئی ہوا میں ہوں محسوس بوتلیں

بہکی ہوئی ہواؤں سے برسیں گلابیاں
بادہ کشوں کے ہونٹوں کو ترسیں گلابیاں

راتیں شراب بار ہوں دن مست مست
ہر بادہ خوار ہو پئے بن مست مست

ساقی کی مے فروش نگاہیں ہوں اور میں
پھیلی ہوئی شباب کی باہیں ہوں اور میں

میخانے آڑتے پھرتے ہوں ابر سیاہ میں
نشوں کا اک جہاں بسا کر نگاہ میں

ماحول ہو شراب زمانہ شراب ہو
روز جزا کا سارا فسانہ شراب ہو

ساغر بہ کف ہو اور صراحی بدوش ہو
گر ہوش ہو تو زندگی کو اتنا ہوش ہو

واپسی

تیرے ملفوف ہیں اُلفت کی حسیں تصویریں
تو نے بھیجی ہیں یہ روسان بہ کف تصویریں

دام الفاظ کے کس طرح سے پھیلائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

تیرا بھیجا ہوا سندیس ہمیں ڈس لے گا
کس کو معلوم تھا پردیس ہمیں ڈس لے گا

کر کے ناشاد تمناؤں کو پچھتائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

تیری بستی میں مسافر تھے ٹھکانہ نہ ملا
تجھ سے مل لینے کا کوئی بھی بہانہ نہ ملا

غم کی سوغات ترے دیس سے ہم لائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

تیری گلیوں سے ترے گھر کا پتا پوچھا تھا
اور جبینوں سے ترے در کا پتا پوچھا تھا

اس تجسس میں کئی زخم نئے کھائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

ہم گئے تھے کہ تجھے دیکھ کے حیران ہونگے
روگ لگ جائیگا دل کو تو پشیماں ہونگے

حسرت دید مگر دل میں بسا لائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

دل کی دنیا میں بسیرا ہے تری یادوں کا
اپنے گھر میں بھی ٹھکانہ نہیں بربادوں کا

روگ ہی روگ بم و زیر پہ لہرائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

ہر حسیں موڑ ترے درد کا حامل دیکھا
تیری راہوں کے ہر اک ذرہ میں اک دل دیکھا

شوق کے پھول تری یاد میں مرجھائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

ٹیس پہلو میں شب و روز اٹھا کرتی ہے
آنکھ اب رونے میں مصروف رہا کرتی ہے

بھیگی پلکوں میں گھٹاؤں کے گھنے سائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

زیست ہے وقف مئے و جام تجھے تھا معلوم
ہم ہیں آوارہ و بدنام تجھے تھا معلوم

تو نے دیوانے یہ پھر کس لئے اپنائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

حجلۂ ناز سے باہر تجھے لاتے کیونکر
حال دل شعر کی صورت میں سناتے کیونکر

یاد میں تیری مگر گیت بہت گائے ہیں
ہم ترے شہر سے مایوس چلے آئے ہیں

ندی کنارہ

تھکی تھکی ہوئی انگڑائیوں کا گہوارہ
رکی رکی ہوئی سرگوشیوں کا فوارہ

کہیں جھلکتے ہوئے نرم عارضوں کے نجوم
کہیں تھرکتی ہوئی سرخ پنڈلیوں کے ہجوم

حسیں کلائیوں پر چھڑ رہے ہیں دیپک راگ
برس رہی ہے فضا پر تجلیات کی آگ

ہر اک نگاہ میں اک میکدہ تھرکتا ہے
ہر ایک ہونٹ پر اک گلستاں مہکتا ہے

ہر ایک اوڑھنی اک طور کو سنبھالے ہوئے
ہر ایک دوپٹہ کسی حور کو سنبھالے ہوئے

دلوں کے کھیل گاگروں کی اوٹوں میں
قریب شہر کہیں گاگروں کی اوٹوں میں

جوانیاں ہیں جو اس حسن کی سرائے میں
پلی ہوئی ہیں یہ موسیقیوں کے سائے میں

نفس نفس میں ہیں فردوس مسکرائے ہوئے
شباب چاندنی کے کیف میں نہائے ہوئے

نشہ میں بھیگی ہوئی کنواریاں ارے توبہ
لچکتی جھومتی پنہاریاں ارے توبہ

کوئی جوانی جو پنگھٹ پہ گنگناتی ہے
تو جاگتے ہوئے منظر کو نیند آتی ہے

دیہاتی لڑکی شہری سیاح سے

مری کھلی ہوئی باھوں پہ رحم میرے حبیب
دبی دبی ہوئی آھوں پہ رحم میرے حبیب
مری اداس نگاھوں پہ رحم میرے حبیب

غموں سے مجھ کو بچاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

میں رو رھی ھوں سر راہ کوئی دیکھ نہ لے
اک اجنبی کے لئے آہ کوئی دیکھ نہ لے
ذرا سی عمر میں یہ چاہ کوئی دیکھ نہ لے

نظر نظر سے ملاؤ میں بے سہارا ھوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ھوں

مرا فسانۂ غم عام کرکے جاتے ہو
ستم نصیب کو بدنام کرکے جاتے ہو
غضب کہ واقف آلام کرکے جاتے ہو

گری ہوئی کو اٹھاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

مرا خیال تھا تم میرے ہو رہو گے کبھی
کوئی نہ جس کا بنا اس کے بن سکو گے کبھی
میں صرف تیرا ہوں ہولے سے یوں کہو گے کبھی

بچا سکو تو بچاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

مرے شباب سے اب زندگی نہ جھانکے گی
ستم نصیب کے لب سے ہنسی نہ جھانکے گی
نظر سے بھول کے بھی دلکشی نہ جھانکے گی

جگر کی آگ بجھاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

میں سوچتی ہوں میری زندگی کا کیا ہوگا
میں بے نوا ہوں میرا کون ہمنوا ہوگا
تمہیں بتاؤ مجھے کس کا آسرا ہوگا

کوئی تو بات بتاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

تمہارے دیس میں یوں ہی نباہ ہوتا ہے
ہر ایک دل یونہی مجبور آہ ہوتا ہے
کرے جو تم سے محبت تباہ ہوتا ہے

تباہیوں سے بچاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

سماج گھور رہا ہے میری جوانی کو
عطا کرے گا کوئی زخم زندگانی کو
فروغ دے گا مرے عشق کی کہانی کو

کہانیاں نہ سناؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

تمہارے بعد یہاں بدلیاں نہ چھائیں گی
ہوائیں مست ترانے نہ گنگنائیں گی
مرے دیار کی گلیاں نہ گیت گائینگی

نہ بے قرار بناؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

تمہارے ھجر میں میں ھی تلملاؤنگی
کئی جوانیوں کو بے قرار پاؤنگی
حسین دلوں میں غموں کے دئیے جلاؤنگی

قیامتیں نہ اٹھاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

تمہاری طرح سبھی ہیں جفا شعار وہاں
ہوس کا خوب چمکتا ہے کار و بار وہاں
لباس پہنے ہوئے ہیں گلوں کا خار وہاں

ذرا نظر تو ملاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

سنا ہے شہر میں بکتے ہیں گنگناتے شباب
خرید سکتے ہیں سکوں میں انکھڑیوں کی شراب
حسین چہرے، جواں جسم، جھلملاتے نقاب

یہ زندگی نہ سکھاؤ میں بے سہارا ہوں
مجھے نہ چھوڑ کے جاؤ میں بے سہارا ہوں

وعدہ

شہر کی شورش سے ہٹ کر مدھ بھری راوی کے پار
پھر کرونگا چاندنی راتوں میں تیرا انتظار

پھر جنوں انگیز گلیوں میں بصد حرماں و یاس
تھام کر دل کو پھرونگا ہو کے غمگین اور اداس

پھر بچھا کر تیرے رستے پر نگاہیں وقت شام
آنسوؤں کی سیمگوں مالا پہ لونگا تیرا نام

پھر تجھے پر کیف راگوں میں بسا ڈالونگا میں
پھر تجھے قابل پرستش کے بنا ڈالونگا میں

پھر مرے شعروں میں بن کر جان در آئیگی تو
پھر جوانی کے حسیں خوابوں پہ چھا جائیگی تو

پھر تری آنکھوں میں کھل جائیگا میخانے کا باب
پھر چھڑے گا تیری رگ رگ میں جوانی کا رباب

پھر ترے ہونٹوں میں ہوگی دھیمے نغموں کی مٹھاس
پھر تیری زلفوں سے آئیگی حسیں پھولوں کی باس

پھر ترے مدھوش کن شیریں تبسم کی ضیاء
پھر پابوسی شعاع مہر کو دے گی صدا

پھر تجھے مغرور کر دونگا شبوں کو جاگ کر
نوجوانی کے حسیں لمحوں کی خواہش تیاگ کر

اب نہیں جاؤنگا تجھ کو چھوڑ کر کچھ غم نہ کر
رحم کر ان مست آنکھوں پر انہیں پرنم نہ کر

مجاہد میخانہ

گناہوں کی عظمت سے پنجہ ملاتا
قیود مذاہب کو آنکھیں دکھاتا
غرور عبادت کی گردن جھکاتا

نظر لالہ گوں اور جوانی گلابی
سوئے میکدہ جا رہا ہے شرابی

تصور میں پیمانۂ نور لرزاں
خرابات یا وادیٔ طوز لرزاں
سبو در بغل پرتو حور لرزاں

یہ ٹھنڈی ہوائیں یہ موسم سحابی
سوئے میکدہ جا رہا ہے شرابی

نشیلی نگاہوں کے پیغام توبہ
لبوں کے چھلکتے ہوئے جام توبہ
مدھر راگ گاتے ہوئے بام توبہ

مگر نشہ کا عالم نیمخوابی
سوئے میکدہ جا رہا ہے شرابی

عقاید کا دشمن بغاوت کا حامی
جسے جھک کے دیتی ہے قدرت سلامی
عبادت کو جو جانتا ہے غلامی

وہ دیکھو وہ دیکھو حسیں انقلابی
سوئے میکدہ جا رہا ہے شرابی

مذاہب کی اللہ رے گوہر فشانی
سزا کا فسانہ جزا کی کہانی
بہشت اور حوروں کی اٹھتی جوانی

مجسم فریب اور سراپا خرابی
سوئے میکدہ جا رہا ہے شرابی

وہ ساقی وہ ساقی کا میٹھا تبسم
مہکتا تنفس، معطر تکلم
حسیں گنگناہٹ، رسیلا ترنم

جھجھکتی ہوئی سی وہ اک بے حجابی
سوئے میکدہ جا رہا ہے شرابی

غم بیش و کم بھول جانے کی خاطر
مظالم سے پیچھا چھڑانے کی خاطر
غم بیش و کم بھول جانے کی خاطر

وہ دیکھو چلا جا رہا ہے شرابی
سوئے میکدہ جا رہا ہے شرابی

شاعر صنفِ نازک

کتنی آغوشوں کو ہے ارمان اُس برباد کا
کتنی اُمیدوں پہ ہے احسان اُس برباد کا
اس پہ بھی پانا نہیں آسان اُس برباد کا

اسقدر ہر دل میں اُسکی یاد کیوں مقبول ہے
لڑکیوں میں شاعرِ برباد کیوں مقبول ہے

کتنے غنچوں کا تبسم آنسوؤں میں بہہ گیا
میکدہ ویرانیوں کا جورِ بے حد سہہ گیا
حسن اک شاعر کی خاطر عشق بن کر رہ گیا

ہر حسیں بستی میں وہ ناشاد کیوں مقبول ہے
لڑکیوں میں شاعرِ برباد کیوں مقبول ہے

کتنی باهیں اٹھ چکیں مایوس ہونے کے لئے
کتنی تقدیریں ہوئیں مجبور سونے کے لئے
وا ہیں کتنی انکھڑیاں آنسو پرونے کے لئے

اتنے نغموں میں وہ اک فریاد کیوں مقبول ہے
لڑکیوں میں شاعر برباد کیوں مقبول ہے

پائلوں کی جھنجھناہٹ نیند میں گم ہوگئی
چوڑیوں کی راگنی کروٹ بدل کر سوگئی
مسکراہٹ کی کرن تاریکیوں میں کھو گئی

اس پہ بھی وہ خوگر بیدار کیوں مقبول ہے
لڑکیوں میں شاعر برباد کیوں مقبول ہے

حسن پوشیدہ تھا جتنا چلمنوں کی آڑ میں
جسقدر کلیاں چھپی تھیں پتیوں کی باڑ میں
آگئیں شاعر کے باعث بجلیوں کی تاڑ میں

دل ھیں جس کے درد سے آباد، کیوں مقبول ھے
لڑکیوں میں شاعر برباد کیوں مقبول ھے

شاعری میں سحر کی تاثیر ھے تو کیا ھوا
ھرغزل ھر شعر اک تصویر ھے تو کیا ھوا
یا کسی رومان کی تفسیر ھے تو کیا ھوا

اھل گلشن میں مگر صیاد کیوں مقبول ھے
لڑکیوں میں شاعر برباد کیوں مقبول ھے

آنسوؤں سے تر کئے ھیں کسقدر رنگین نقاب
سسکیوں میں بانٹ ڈالے جھومتے گاتے شباب
گرم آھوں کو پلا دی سرخ ھونٹوں کی شراب

یہ ستم اور پھر ستم ایجاد کیوں مقبول ھے
لڑکیوں میں شاعر برباد کیوں مقبول ھے

آنسوؤں کے نامہ بر بڑھ کر صدا دینے لگے
درد کے دریا دلوں میں کروٹیں لینے لگے
عشق کے ملاح غم کی کشتیاں کھینے لگے

ہائے وہ آوارہ و آزاد کیوں مقبول ہے
لڑکیوں میں شاعر برباد کیوں مقبول ہے

کاش شاعر بھی محبت پر کبھی مجبور ہو
اس کی آنکھوں میں بھی ساون کی جھڑی مستور ہو
اس کے دل میں بھی کسی کی یاد کا ناسور ہو

آہ وہ طوفان برق و باد کیوں مقبول ہے
لڑکیوں میں شاعر برباد کیوں مقبول ہے

وینس

نظروں میں جنم لیتی ہوئی روح خرابات
زلفوں میں سمٹ جاتی ہوئی کوئی حسیں رات

ابرو کے حسیں موڑ پہ جاگی ہوئی نظمیں
تخئیل کی آبادی سے بھاگی ہوئی نظمیں

پلکوں میں مدھر راگنی بل کھائی ہوئی سی
سپنوں کی جنم بھومی کو نیند آئی ہوئی سی

باھوں میں ھے مستور مصور کا حسیں خواب
ھاتھوں میں ھے کرنوں کی لچک بیخود و بیتاب

رخسار میں جنت کی بہاروں کا خزینہ
دریا پہ مچلتا ھوا پھولوں کا سفینہ

انگڑائیاں لیتی ہے جو ہنس ہنس کر سر بام
گر جاتا ہے نظروں سے مری بادۂ گلفام

جب گلیوں میں بھرتی ہے فسوں کار طرارے
میں ڈھونڈنے لگتا ہوں ہر اک سمت سہارے

جب گاتی ہے فطرت کا دھڑک اٹھتا ہے سینہ
آجاتا ہے ماحول کے ماتھے پہ پسینہ

چلتی ہے تو تھم جاتی ہے رفتار زمانہ
راہوں پہ لکھا جاتا ہے اک شوخ فسانہ

ہنستی ہے تو شرماتے ہیں افلاک پہ تارے
روتی ہے تو رو دیتے ہیں شاداب نظارے

اک نور کا طوفان لئے گھوم رہی ہے
پھلواری کا بہروپ بھرے جھوم رہی ہے

وینس کی جوانی ہے کہ رومانی فسانہ
یا گایا ہوا کرنوں کے بربط پہ ترانہ

اے میرے ساقی

ساقی! مرے حسین و جواں ساقیا !! ادھر
گاتی ہوئی نگاہ بہکی ہوئی نظر
ساغر اٹھا کہ موسم گل ہے شباب پر

مستانہ انکھڑیوں کی جوانی ہے لازوال
میرے پریجمال
میں شاعر شباب ہوں اتنا رہے خیال
میرے پریجمال

سوگند تجھ کو تیرے ابلتے شباب کی
ہونٹوں کا رس نچوڑ کے بوتل شراب کی
پرواہ کسے ہے روز عذاب و ثواب کی

ساغر اٹھا کہ ہو رہی ہے زندگی وبال
میرے پریجمال
میں شاعر شباب ہوں اتنا رہے خیال
میرے پری جمال

ساون ہے، تو ہے، میں ہوں، جوانی پہ ہے نکھار
شیشے میں ہنس رہی ہے کوئی دختر بہار
اک لغزش حسیں کے لئے دل ہے بیقرار

ساغر میں بھر کے آج پلا دے مئے وصال
میرے پریجمال
میں شاعر شباب ہوں اتنا رہے خیال
میرے پریجمال

یہ نرم بازوؤں کی بناوٹ یہ دلکشی
ہاتھوں میں چوڑیوں کی سجاوٹ یہ دلکشی
پلکوں کی مست مست تھکاوٹ یہ دلکشی

اس ساعت جواں میں نہ رندوں کو کل پہ ٹال
میرے پریجمال
میں شاعر شباب ہوں اتنا رہے خیال
میرے پریجمال

کالی گھٹا نے بال بکھیرے ہیں دوش پر
سینے میں ولولوں کا سمندر ہے جوش پر
غلبہ ہے ملحدانہ عقاید کا ہوش پر

روز جزا کے وہم کو اب ذہن سے نکال
میرے پریجمال
میں شاعر شباب ہوں اتنا رہے خیال
میرے پریجمال

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مدھوشیاں بکھیر
جذبات ہوں جواں وہ سر گوشیاں بکھیر
گاتی، بہکتی، جھومتی، بیہوشیاں بکھیر

رہ جائے مجھ سے پیچھے کہیں حد اعتدال
میرے پریجمال
میں شاعر شباب ہوں اتنا رہے خیال
میرے پریجمال

میخانے کھیلتے ہیں تیری انکھڑیوں کے پاس
مجھ کو یہ سہمی سمٹی جوانی نہیں ہے راس
الطاف تیرا ہو کے رہے اس طرح اداس

اک جام آتشیں کہ طبعیت ہے پر ملال
میرے پریجمال
میں شاعر شباب ہوں اتنا رہے خیال
میرے پریجمال

وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی

السلام اے ہمنشیں اب گاؤں کو جاتا ہوں میں
شہر کے آباد ویرانے سے گھبراتا ہوں میں

رو رہی ہوگی کوئی معصوم میری یاد میں
ہو رہی ہوگی فضا مغموم میری یاد میں

لوگ دل میں سوچتے ہونگے کہ یہ زہرہ جبیں
کچھ دنوں سے کیا خبر ہے کس لئے اندوہ گیں

اس کی بھاوج کہہ رہی ہوگی کہ یہ بیمار ہے
دل کی دھڑکن کا اسے کچھ روز سے آزار ہے

لوٹنے کے واسطے پھولوں سے قدموں کا شباب
کھیت کی مغموم راھیں ھونگی وقف اضطراب

چومنے کو اک حسینہ کی نگاہ سحر بار
ھو رہے ھونگے چراگاھوں کے منظر بیقرار

لے کے ھونٹوں میں مری شیریں ادا کے نام کو
شبنمیں آنسو بہاتی ھونگی کرنیں شام کو

چوسنے کے واسطے لچکیلی تانوں کی مٹھاس
ھو رہے ھونگے در و دیوار غمگیں اور آداس

ھمنشیں پہنچونگا جونہی سادہ گلیوں کے قریب
پھول کی مانند کھل جائیگی میری غم نصیب

آنکھ پرنم اور دل میں آتش بے دود ھے
دوست! جانے دے مجھے اب روکنا بے سود ھے

نبض شش جہات یا بوتل

بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا نبض شش جہات
بتخانہ ہمرکاب ہے کعبہ بھی ہمرکاب
روز جزا کی مجھ پہ حقیقت ہے بے نقاب

فطرت بھی میری سمت بڑھائے ہوئے ہے ہات
بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا نبض شش جہات

بدمست چتونوں کے اشارے ہیں محو رقص
لبہائے لالہ گوں کے کنارے ہیں محو رقص
شانوں کے گول گول سہارے ہیں محو رقص

یہ رقص اور موسم سرما کی لمبی رات
بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا نبض شش جہات

سجدے میں ہے غرور جوانی مرے حضور
لاتی ہے پھول خلد کی رانی مرے حضور
مہمل ہے مذہبوں کی کہانی مرے حضور

سر خم کئے ہوئے ہے میرے در پہ کائنات
بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا نبض شش جہات

نغمے تڑپ رہے ہیں نشیلی ہواؤں میں
آنچل سرک رہے ہیں نشیلی ہواؤں میں
جلوے بھڑک رہے ہیں نشیلی ہواؤں میں

ایسا سماں کہ خلد بھی کہا جائے جس سے مات
بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا نبض شش جہات

میخانے مجھ کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں چار سو
حسن ازل ہے اور شرابی کی جستجو
پھولوں کے جھنڈ روتے ہیں میرے لئے لہو

قدرت نے آج جھک کے ملایا ہے مجھ سے ہات
بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا نبض شش جہات

چاہوں تو آسماں سے ستارے برس پڑیں
سیمیں تبسموں کے شرارے برس پڑیں
عریاں جوانیوں کے نظارے برس پڑیں

کلیوں کے بستروں پہ گزرتی ہے میری رات
بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا نبض شش جہات

بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا روح شاعری
پہلو بدل رہی ہے فضاؤں میں بیخودی
ہر پھول کی جبیں سے ابلتی ہے زندگی

جنت سے بھی حسین ہے دنیائے بے ثبات
بوتل ہے میرے ہاتھ میں یا نبض شش جہات

دیہاتی محبوبہ سے شہری سیاح کا خطاب

حسیں آنکھوں سے آنسو مت بہانا
لب لعلیں کو آہوں سے بچانا
جوانی کو تڑپنا مت سکھانا

مری خاطر نہ شب کو تلملانا
میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا

سمجھ لینا کہ آوارہ سا کوئی
خراب عشق بے چارہ سا کوئی
یہاں پر ایک ناکارہ سا کوئی

رہا تھا مختصر سا اک زمانہ
میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا

مری الفت نہیں ہے جاودانی
پلی ہے شہر میں میری جوانی
ہوس کی جس جگہ ہے حکمرانی

خدا را میری باتوں میں نہ آنا
میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا

مجھے معلوم ہے تم غم کرو گی
شبوں کو جاگ کر آہیں بھرو گی
مری خاطر جوانی میں مرو گی

مگر اک جا نہیں میرا ٹھکانا
میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا

مجھے ڈر ہے کہیں پنگھٹ پہ جا کر
حسیں پنہاریاں شانے ملا کر
نشیلی انکھڑیوں سے مسکرا کر

نہ دھرائیں ترے غم کا فسانا
میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا

میں جب اپنے وطن کو لوٹ جاؤں
نظر گلیوں میں جب تجھ کو نہ آؤں
اُفق کے اُس طرف بستی بساؤں

تو میری یاد میں مت تلملانا
میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا

آہ وہ آنسو

رحم اے چشم تصور رحم میرے حال پر
آج وہ منظر دکھا کر پھر مجھے بیکل نہ کر

آہ وہ منظر نسیمہ رو رہی تھی جس گھڑی
تخم غم پہلو میں اپنے بو رہی تھی جس گھڑی

آہ وہ منظر جدا ہونے کا منظر الاماں
جب نسیمہ کی حسیں آنکھوں سے آنسو تھے رواں

آہ وہ آنسو میری راتوں کے ننھے ماہتاب
آہ وہ آنسو مری برباد دنیا کے شہاب

آہ وہ آنسو مرے دل میں جو پا کر بیکلی
جھانکنے لگتے تھے آنکھوں کے دریچوں سے کبھی

آہ وہ آنسو جدا ہوتے ہوئے بہتے تھے جو
اک دل غم آشنا کا ماجرا کہتے تھے جو

آہ وہ آنسو کہ جن میں رقص کرتے تھے شرار
آہ وہ آنسو کہ جن پر لعل و گوہر ہوں نثار

آہ وہ آنکھوں کے میخانے سے مے کا آبشار
جس کے آگے منہ چھپا لے اپنا ساون کی بہار

آہ وہ آنسو کہ جن پر موتیوں کا تھا گماں
آہ وہ آنسو کہ جن کی یاد ہے دل پر گراں

آہ وہ آنسو مرے دامن سے اب ناراض ہیں
کیا خبر کیوں پھول اس گلشن سے اب ناراض ہیں

ان کے جانے کی خبر سن کر

سنا ہے میں نے کہ تم جا رہے ہو سوئے وطن
تمہاری دید کی مشتاق ہے بہار چمن

وطن کی پاک فضائیں آداس ہیں تم بن
چمن کی شوخ ہوائیں آداس ہیں تم بن

تمہارے ہجر میں غنچے چٹکنا بھول گئے
تمہاری دھن میں عنا دل چہکنا بھول گئے

تمہارے درد نے مے سے خمار چھین لیا
وطن کی شام کا دلکش نکھار چھین لیا

غبار آٹھتا ہے آہوں کا ناگہاں شب کو
جگر کو تھام کے روتا ہے ہر جواں شب کو

یہ سب درست مگر اے مرے پری تمثال
کسی غریب، غریب الوطن کا بھی ہے خیال

وہ نوجوان جسے بدنصیب کہتے ہیں
وہ جس کے شعر حسینوں کے لب پہ رہتے ہیں

وہ جس کی رات کو پلکیں کبھی جھکیں ہی نہیں
وہ جس کی آنکھ سے بوندیں کبھی رکیں ہی نہیں

وہ جس کے سینے میں کچھ مشعلیں سی روشن ہیں
وہ جس کے پہلو میں کچھ حسرتوں کے مسکن ہیں

وہ جس نے سجدوں سے تم کو خدا بنا ڈالا
تمہیں عروس عقیدت کی گود میں پالا

تمہاری مست نگاہی کا سب کو آرام کیا
جہان حسن میں اونچا تمہارا نام کیا

تڑپ تڑپ کے جہاں سے سدھار جائیگا
رخ حبیب کو گر سامنے نہ پائیگا

اختر جہاں

ہونٹوں پہ بچھ رہی ہیں موسیقیوں کی راہیں
آنکھیں بنی ہوئی ہیں نغموں کی سیرگاہیں

پلکوں میں چھڑ رہی ہے گیتوں بھری کہانی
کہتی ہے جس کو دنیا موسیقیوں کی رانی
اختر جہاں وہ تم ہو

تانوں میں میکدے کا در باز ہو رہا ہے
مدھوشیوں کا مرکز ہر ساز ہو رہا ہے

سُر کو لئے ہوئے ہے آغوش میں جوانی
کہتی ہے جس کو دنیا موسیقیوں کی رانی
اختر جہاں وہ تم ہو

درگا، اڈانا، چھایا باگیشری تمہیں سے
بھیروں، بلاس خانی، راگیشری تمہیں سے

دیپک، ملار، دیسی بھرتے ہیں جس کا پانی
کہتی ہے جس کو دنیا موسیقیوں کی رانی
اختر جہاں وہ تم ہو

ٹوڈی نے راستے میں آنکھیں بچھا رکھی ہیں
بتیاب سوھنی نے پلکیں اُٹھا رکھی ہیں

بیخواب و منتظر ہے سیماب واردھانی
کہتی ہے جس کو دنیا موسیقیوں کی رانی
اختر جہاں وہ تم ہو

گایا جو تم نے دیپک ہر دل میں آگ بھڑکی
سن کر بلاس خانی مردوں کی نبض دھڑکی

ملہار چھیڑتے ہی برسا فلک سے پانی
کہتی ہے جس کو دنیا موسیقیوں کی رانی
اختر جہاں وہ تم ہو

مدھوش چاندنی میں گایا جونہی کدارا
مرقد نے تیرگی کو آغوش میں پکارا

سن کر بہار ہنس دی پھولوں کی راجدھانی
کہتی ہے جس کو دنیا موسیقیوں کی رانی
اختر جہاں وہ تم ہو

استھائی اور ٹپہ سجدے میں جھک رہے ہیں
شیرینیوں کے دریا تانوں میں رک رہے ہیں

لکشن، خیال میں بھی کوئی نہیں ہے ثانی
کہتی ہے جس کو دنیا موسیقیوں کی رانی
اختر جہاں وہ تم ہو

شاعر ترے سروں میں تحلیل ہو چکا ہے
نغموں کی وسعتوں میں تحلیل ہو چکا ہے

اب تیرے ہاتھ میں ہے شاعر کی زندگانی
کہتی ہے جس کو دنیا موسیقیوں کی رانی
اختر جہاں وہ تم ہو

ایک شعر

طور خود نکلے گا تجھ کو ڈھونڈ نے
اور کچھ دن تیرگی کا ساتھ دے

شعر

بیچتے ہیں چمن کا پیراھن
اور گلستان پرست ہیں پیارے

وہ کھیت میں آئیگی

ماحول کو مسحور کئے میری فسوں کار
انگڑائیاں لے لے کے ہوئی نیند سے بیدار

پازیب کی جھنکار نے کچھ گیت بکھیرے
موسیقیوں نے رقص کیا ڈال کے گھیرے

آئے گی ابھی کھیتوں میں دوشیرہ جوانی
وہ پھولوں کی رانی
چل میری درانتی، چل میری درانتی

حب دودھ بلوتے ہوئے چھیڑے گی ترانہ
موسیقیوں کی گود میں کھیلے گا زمانہ

دوہے گی بصد ناز جونہی جھومتی گائیں
کانپیں گی حسیں ہونٹوں پہ معصوم نوائیں

گلیوں میں نظر آئیں گے مستانہ طرارے
چل میری درانتی چل میری درانتی

کچھ گائے گی جب سرپہ رکھے چھاچھ کا برتن
ہونٹوں میں سمٹ آئیگا فردوس کا گلشن

ناچیں گے ہر اک سمت فسوں کار اشارے
بچھ جائینگے پگڈنڈی کی آغوش میں تارے

دم سادھ کے رک جائیگی ہر چلتی درانتی
آداب کو جھک جائیگی ہر چلتی درانتی

چومیں گی قدم جھومتے کھیتوں کی جبینیں
شاداب زمینیں
چل میری درانتی چل میری درانتی

نغموں کی تڑپ، حسن کی ضو، مست ترنم
ہونٹوں کے شفق زار میں لچکیلا تبسم

عارض کی دمک، گیسوئے خمدار کی راتیں
آنکھوں سے ادا ہوتی ہوئی رس بھری باتیں

دامن میں سمیٹے ہوئے آئیگی چھناچھن
سو وادئی ایمن
چل میری درانتی چل میری درانتی

دعوت نامہ

(ایک چاہنے والا اپنی شادی میں شامل ہونے کے لئے
اپنی محبوبہ کو مدعو کرتا ہے)

اے مری جان تمنا کہہ نہیں سکتا ہوں میں
آہ لیکن بن کہے بھی رہ نہیں سکتا ہوں میں

کل جونہی کھولے گی گیسو دوش پر لیلائے شام
ٹوٹ جائینگے مئے الفت کے دو لبریز جام

چاند جب کل کررہا ہوگا جہاں والوں پہ راج
چھین لے گا تجھ کو میرے ہاتھ سے ظالم سماج

تیری باہیں میری گردن سے خفا ہو جائینگی
آرزوئیں زندگی کا آسرا ہو جائینگی

یعنی کل دیوار و در پر جب دھندلکا چھائے گا
مجھ کو اک نادیدہ لڑکی سے بیاہا جائیگا

اسقدر ہوگا عزیزوں کو مری راحت کا پاس
خانہ بربادی کو پہنائینگے شادی کا لباس

اسقدر آئیگی اپنوں کی محبت جوش پر
جائیگا میرا جنازہ حسرتوں کے دوش پر

کل وطن میں جو بھی میرا ہے یہاں آئیگا وہ
ڈھا سکے گا جسقدر مجھ پر ستم ڈھائیگا وہ

تم بھی میری ہو تمہیں بھی منہ دکھانا چاہئے
اتنے غیروں میں کوئی اپنا بھی آنا چاہئے

میں تمہارا ہوں سمجھ لینا نہ بیگانہ مجھے
اپنے ہاتھوں سے کفن شادی کا پہنانا مجھے

ھاں مگر آنسو کسی صورت نہ آنکھوں سے بہیں
دیکھنے والے تجھے ننگ محبت کیوں کہیں

آہ ھونٹوں پر تیرے آئی اگر اچھا نہیں
عشق والوں کا یہ شیوہ ھے مگر اچھا نہیں

دل یہ کہتا ھے کہ کل تشریف لے آؤ گی تم
اس پریشانی میں مجھ پر رحم فرماؤ گی تم

میرے حسین مسافر

مرے حسین مسافر تو بے قرار نہ ہو
غموں کی آتش پنہاں سے ہمکنار نہ ہو
خیال دورئی منزل سے اشکبار نہ ہو

میں بن کے ماہ تیری راہ جگمگاؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

تیرے بغیر جوانی کو کیا کرونگی میں
یہی کہ رات دن آئیں بھرا کرونگی میں
سہیلیوں سے فسانے سنا کرونگی میں

برستی آنکھ سے دل کی لگی سناؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

وطن سے دور نیا اک وطن بنائینگے
فضا کو قہقہوں کی ضو سے جگمگائینگے
سدا بہار بہاروں میں ڈوب جائینگے

شعاع حسن کے بربط پہ گیت گاؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

دیار حسن و محبت کا تاجدار ہے تو
بڑے حسین ترنم کا آبشار ہے تو
مرے شباب کی نکھری ہوئی بہار ہے تو

میں تیری زندگی پہ کیف بن کے چھاؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

مرے شباب کے مالک جفا نہیں زیبا
میں صرف تیری ہوں مجھ سے دغا نہیں زیبا
غموں کی آگ کو دینی ہوا نہیں زیبا

تڑپ تڑپ کے وگرنہ تجھے ستاؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

یہی تو دن ہیں جوانی کے مسکرانے کے
گلوں سے کھیلنے کلیوں کو گد گدانے کے
مرے شباب پہ بن کر بہار چھانے کے

میں ان دنوں میں اکیلی کہاں سماؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

یہ سبزہ زار یہ سوئی ہوئی فضا کا نکھار
یہ مست مست نظارے یہ ہلکا ہلکا خمار
یہ مے فروش ترانے یہ بہکی بہکی بہار

ترے بغیر کیا ان سے نظر ملاؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

ابھی نہ دیکھنے پائی تھی سیر ہو کے تجھے
یہ کیسے مانوں کہ میں جی سکوں گی کھو کے تجھے
رہیں گی دید کے قابل یہ آنکھیں رو کے تجھے

بہار زیست میں جی بھر کے مسکراؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

شبوں کو مل کے جو چرواھے گیت گائینگے
خوشی سے جھوم کے جب بانسری بجائینگے
شباب نو کی امنگوں کو گدگدائینگے

تو ایسے وقت میں تجھ کو کہاں سے لاؤنگی
مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

''تمام عمر،، کہا تھا ''رھوں گا ساتھ ترے،،
حواداثات کی رو میں بہوں گا ساتھ ترے
جو دکھ پڑیں گے جہاں سہوں گا ساتھ ترے

مگر وہ وعدے کسے یاد اب دلاؤنگی
مرے حسین مسافر ! میں ساتھ آؤنگی

دلکش مناظر

۱

جاگ رہے ہیں دلکش منظر اور سوئے ہیں بھاگ

پریم کے ساگر میں جیون کا سندر روپ سفینہ
وصل کی شب دلہن کے رخ پر خوشبودار پسینہ
چاند کی متواری کرنوں کا ہنس ہنس پڑتا زینہ
ساتھ کسی کے پھلواری میں جھوم جھوم کر پینا

۲

ساون کے پر کیف سمے کی بھیگی شام
نازک، نرم، گلابی ہاتھوں میں صہبا کا جام
دور وطن سے بھولے بسرے ہمجولی کا نام
طور کا جس پر دھوکا ہو وہ جگمگ کرتا بام

یہ نظم دو بحروں میں کہی گئی ہے۔ عروضی دیوانے معاف کریں

۳

فطرت کی دیوی کے لب سے افسوں پاش صدا ئیں
البیلی ، الھڑ دوشیزہ کی مخمور ادائیں
جوبن رس کی میٹھی بوندوں سے بھر پور گھٹا ئیں
جن کی ہر کروٹ میں لاکھوں میخانے تھرا ئیں

۴

بچپن کی معصوم محبت کی محبوب کہانی
میخانے کے دروازے پر بیتی ہوئی جوانی
شیش محل میں بسنے والی انگوروں کی رانی
جس کے پسینے سے ہو جائے امرت پانی پانی

۵

شانوں پر لہرانے والے کالے کالے ناگ
نیند کی پریوں کے ہونٹوں پر پلنے والے راگ
پیمانوں میں بٹنے والی مست گلابی آگ
جس کے ہاتھوں میں جنت کے دربانوں کی باگ
جاگ رہے ہیں دلکش منظر اور سوئے ہیں بھاگ

شعر

یہ زیست کہ اک عمر سے فریاد بہ لب ہے
نغمات حسیں صبح و مسا گا کے رہے گی

گاؤں کی حور

شب کو سوتی ہے جو تاروں کی ردا کو اوڑھ کر
چاند کی کرنوں کی ٹھنڈی سی ضئیا کو اوڑھ کر

گنگنا کر جھوم کر چلتی رہی ہنستی رہی
نکہتوں کی گود میں پلتی رہی ہنستی رہی

جو نشیلے زمزموں کے دوش پر ہو کر سوار
زندگانی کو عطا کرتی ہے چمکیلا نکھار

پھول شرماتے ہیں جس کو مسکراتے دیکھ کر
نکہتیں رستے میں بچھ جاتی ہیں آتے دیکھ کر

جھومتی ہے جو جوانی کے نشہ میں ہو کے چور
نوجواں کہتے ہیں اس کو گاؤں کی جنت کی حور

زاهد کم ظرف اور رند خرابات

اے رند خرابات چھلک جائے گلابی
نظارے ہوں مدہوش تو فطرت ہو شرابی
یوں جام اٹھا جھوم کے رہ جائے زمانہ
میخانے کا در چوم کے رہ جائے زمانہ

ایمان کے اوسان پہ لہرائیں شرابیں
زاهد کے بڑھاپے پہ بھی چھا جائیں شرابیں
قل قل کے ترنم میں جوانی کو ڈبو لے
نیکی کا کوئی داغ ہے گر دل پہ تو دھو لے

پیمانہ لگا ہونٹوں سے واعظ کو دکھا کے
دیوانہ کوئی پوچھے اگر جوش میں آ کے
کہدے یہ چھلکتا ہوا اک جام چڑھا کے
پتہ بھی نہیں ہلتا بغیر اسکی رضا کے

میخوار تجھے جام و صراحی کی قسم ہے
ساقی کی جنوں خیز جماهی کی قسم ہے
فردوس خرابات کے دستور کی سوگند
دوشیزگئی دختر انگور کی سوگند

سوگند گناہوں کی جو ایمان ہیں تیرا
مستانہ نگاہوں کی جو ایمان ہیں تیرا
کلیوں کے پسینے کی قسم جھوم کے کر رقص
ساون کے مہینے کی قسم جھوم کے کر رقص

اے وارث کونین ذرا دھوم مچا کے
دیوانہ کوئی پوچھے اگر جوش میں آ کے
کہدے یہ چھلکتا ہوا اک جام چڑھا کے
پتہ بھی نہیں ہلتا بغیر اس کی رضا کے

وہ دیکھ غم زیست نے اشکوں کو پکارا
جذبات کو دے ساغر و مینا کا سہارا
بیباک امنگوں کو وہ نیند آئی کہ آئی
کر جھوم کے میخانے کی وسعت پہ خدائی

آلام نے ٹیسوں کو جوانی میں بکھیرا
کرے ساقیٔ کمسن کی نگاہوں میں بسیرا
حسرت سی تمناؤں کے چہرے سے عیاں ہے
اے رند بلانوش! ترا جام کہاں ہے

پی ! زاهد کم ظرف کو پہلو میں بٹھا کے
دیوانہ کوئی پوچھے اگر جوش میں آ کے
کہدے یہ چھلکتا ہوا اک جام چڑھا کے
پتہ بھی نہیں ہلتا بغیر اس کی رضا کے

توبہ

اگر شراب کو چھوؤں بھی آج سے ناصح

چراغ حسن کی لو پر مجھے جلا دینا
کسی نگاہ سے کچھ بجلیاں گرا دینا

کسی حسین کے جادو فروش زانو پر
تھپک کے نیند قضا کی مجھے سلا دینا

گریں جو ساقیٔ مہوش کے نرم ہونٹوں سے
انہیں حسین گلوں میں مجھے دبا دینا

"مرو تم آتش رخسار سرخ میں جل کر"
کروں جو بادہ کشی تو یہ بد دعا دینا

مرے نصیب کی مشعل ہو گر کبھی روشن
تو آب خوشۂ انگور سے بجھا دینا

نظر کی ، دل کی ، جبیں کی ، جگر کی ، ہونٹوں کی
غرض جو جی میں ترے آئے وہ سزا دینا

اگر شراب کو چھوؤں بھی آج سے ناصح

بیمار محبت

اے سوختہ جاں آہ ترا عہد جوانی
دل وقف الم آنکھ سے اشکوں کی روانی

کیا بات ہے کس واسطے یہ حال ہے تیرا
کیوں بھیگا ہوا ریشمیں رومال ہے تیرا

کیوں تیری نگاہوں سے برستے ہیں فسانے
اف ہونٹوں پر آنے کو ترستے ہیں فسانے

کیوں تیری طرف کس لئے دیکھا نہیں جاتا
ہونٹوں کو ترے میں کبھی خنداں نہیں پاتا

یہ سوز کی آغوش میں سویا سا ترنم
کیوں چھینتا ہے میرے لبوں سے بھی تبسم

حیراں ہوں کہ تو رات کو کیوں سو نہیں سکتا
کیوں داغ ترے دل کا کوئی دھو نہیں سکتا

کیا بات ستاروں سے تو کرتا ہے شبوں کو
ہر آن یہ کیا آہ سی بھرتا ہے شبوں کو

کس چیز کو کرتا ہے گلستاں میں اشارہ
پاگل نہ بنا دے تجھے پھولوں کا نظارہ

اے سوختہ جاں آہ ترا عہد جوانی
دل وقف الم آنکھ سے اشکوں کی روانی

شعر

انساں اگر ہو عظمت انساں سے آشنا
عشرت کدہ ہے زندگی دارالمحن نہیں

ھائے وہ رات

اے سکھی وہ رات آئیگی کبھی پھر لوٹ کر

جب سہانی بیریوں میں گؤں کے نالے سے پار
ہو رہے تھے مجھ ابھاگن کے لئے وہ بیقرار

جب بہانہ کھیلنے کا میں بنا کر آئی تھی
تھپکیوں سے ننھے بھائی کو سلا کر آئی تھی

لوٹ کر آنا ابھی، مجھ سے کہا تھا باپ نے
کوئی ایسا گیت مت گانا کہا تھا باپ نے

ہولے ہولے ماں نے بھی مجھ سے کہا تھا کان میں
گم نہ ہو جانا کسی کی بانسری کی تان میں

اپنے چھپر سے بڑے بھائی نے دی تھی یہ صدا
لڑکیوں کا رات کو پھرنا کبھی دیکھا نہ تھا

اے سکھی ! تو راہ میں مجھ سے ملی تھی یاد ہے ؟
میرا دل تو آجتک اس یاد سے آباد ہے

تو نے پوچھا تھا کہ کیوں پھولی ہوئی سی سانس ہے
کیا کسی کی یاد کی سینے میں تیرے پھانس ہے

اے سکھی! وہ رات آئیگی کبھی پھر لوٹ کر

میرے پیارے ماضی تو کہاں ہے

تصور! اے تصور!! رحم فرما ہم غریبوں پر
آداسی ھی آداسی چھا رھی ھے غم نصیبوں پر

بس اتنا ھو جوانی لمحہ بھر کو منہ دکھا جائے
ھماری جاگتی بے چینیوں کو نیند آ جائے

کہیں شاداب ٹیلوں سے لپٹ کر سو رھے ھوں ھم
کہیں ماحول میں گیتوں کی کھیتی بو رھے ھوں ھم

جگر کو تھام کر دھیمے سروں میں گا رھے ھوں وہ
تمناؤں کو ٹھکرا کر مری پچھتا رھے ھوں وہ

کہیں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آنسو بہا دیں ھم
کہیں باھوں میں باھیں ڈالتے ھی مسکرا دیں ھم

کہیں ہم پھول بن کر کھل رہے ہوں لالہ زاروں میں
کہیں بیباکیاں کرتے نظر آئیں بہاروں میں

کہیں ہم لڑکھڑا کر چل رہے ہوں شاہراہوں پر
نہا کر دھر رہے ہوں وہ کہیں احساں نگاہوں پر

کہیں زلفوں سے باندھا جا رہا ہو میری باہوں کو
کہیں ہنس ہنس کے روکا جا رہا ہو میری آہوں کو

تصور اے تصور رحم فرما ہم غریبوں پر
اداسی ہی اداسی چھا رہی ہے غم نصیبوں پر

شعر

ترا شباب سلامت مگر مرے ساقی
لہو بھی پیتے ہیں جام و سبو کے سوداگر

ایک افسانہ نویس خاتون کے شوہر کو دیکھ کر

آہ فطرت کے تبسم کی ضیائے کیف بار
اور ہو دہقانیت کی ظلمتوں سے ہمکنار

آہ اک خوش گل ادیبہ غرق صہبائے شباب
ہو جہالت کی دہکتی آگ میں وقف عذاب

آہ اک نازک کلی ناواقف جور خزاں
آتشیں جھونکے کی زد میں آگئی یوں ناگہاں

جس کی کلک گلفشاں ہو رازدار کائنات
ہو مسلط اس پہ یوں آلام کی تاریک رات

جس کے جذبات حسیں ہوں آشنائے رنگ و بو
اس کی آنکھوں سے تبسم کے عوض ٹپکے لہو

صفحۂ قرطاس پر جس نے بکھیرے گلستاں
حیف وہ شیریں جوانی ہم‌غموں کے درمیاں

جس کو قدرت نے کیا تخلیق ہنسنے کے لئے
باپ نے سونپا ہے اس کو ناگ ڈسنے کے لئے

ناگ بھی وہ ناگ جس کی دید پیغامِ قضا
ہر نفس کے ہاتھ میں چھلکا ہوا جامِ قضا

جس کی آنکھوں میں کڑکتی برق منہ کھولے ہوئے
جس کے ہونٹوں پر بھیانک موت پر تولے ہوئے

جس کے چہرے پر گماں ہوتا ہے کالی رات کا
نام سے جس کے دہل جاتا ہے دل برسات کا

پتھروں کا جسم ، لوہے کی رگیں ، بادل کا رنگ
ایک نازک آبگینہ حیف یوں ہو نذرِ سنگ

شعر

میری غمخوار ہیں وہ زنجیریں
جن میں موسیقوں کا ڈیرا ہے

خیال کی بستی میں کون ہے

مرے خیال کی بستی بسا رہا ہے کون

یہ کس کی لے نے ہواؤں میں رقص فرمایا
کہ میکدہ میرے ہونٹوں سے آکے ٹکرایا

یہ کس کی آنکھ اٹھی اور اٹھ کے جھک سی گئی
کہ بوتلوں میں شرابوں کی سانس رک سی گئی

یہ کس کے پاؤں کی آہٹ فضا میں لہرائی
کہ میرے دل میں اٹھی ہوک لے کے انگڑائی

یہ کس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے قریب ہوا
کہ جاگتے میں مجھے اونگنا نصیب ہوا

یہ کس کے لب پہ تبسم کا نور چمکا ہے
کہ میرا دل میرے سینے سے ہٹ کے دھڑکا ہے

یہ کس نے نیچی نگاہوں سے کچھ کہا مجھ کو
کہ زندگی کا بھروسہ نہیں رہا مجھ کو

یہ کون رات کو دھیمے سروں میں گاتا ہے
کہ اپنے گھر کا مجھے رستہ بھول جاتا ہے

مرے خیال کی بستی بسا رہا ہے کرن

تری آنکھوں میں وہی مستی ہے

تری آنکھوں سے اب پھولوں کی گو بارش نہیں ہوتی
شفق رنگینیوں کا بیج گالوں میں نہیں بوتی

مگر بجتا ہے نظروں میں جوانی کا رباب ابتک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

لچک سے ہوگئیں محروم گو تیری حسیں باہیں
ملیں گیتوں کے بدلے میں تجھے دھکی ہوئی آہیں

برستی ہے مگر آنکھوں سے تھم تھم کر شراب ابتک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

تری زلفوں کا بادل بھی اڑاتا ہے مزاق اب تو
گوارا ہے جوانوں کو بھی گو تیرا فراق اب تو

مگر نظریں الٹ دیتی ہیں زخموں سے نقاب ابتک
تیری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

ترے گیتوں میں گو اب مستیاں کروٹ نہیں لیتیں
ہنسی کی مشعلیں تاریکیوں میں لو نہیں دیتیں

مگر دو پتلیاں شمس و قمر کا ہیں جواب ابتک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

تری سانسوں سے گو اب جنتیں پرہیز کرتی ہیں
گلوں کی نکہتیں ہونٹوں پہ لہرانے سے ڈرتی ہیں

کھلا ہے سرخ ڈوروں میں مگر گلشن کا باب ابتک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

تری انگڑائیوں میں میکدے گو اب نہیں پلتے
ستاروں کے دیئے تیرے تبسم میں نہیں جلتے

مگر چشم حسیں کرتی ہے زاہد کو خراب ابتک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

تری آنکھوں میں گو موسیقیوں کا رس نہیں باقی
نہیں ہے دلکشی کا قافلہ کوئی کہیں باقی

لرزتے ہیں مگر پلکوں میں لچکیلے سے خواب ابتک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

جرات اظہار عشق

اس طرح جرات کروں گا عشق کے اظہار کی

کھیت کو جب جائیگی تو چھاچھ لے کر دھوپ میں
مسکراؤنگا جوانی بن کے تیرے روپ میں

بانسری کی لے میں تو ہوجائیگی گم جس گھڑی
میں تری آنکھوں میں بن جاؤنگا ساون کی جھڑی

رات کو چھیڑے گی تو چرخے کا جب رنگیں ستار
میں ترے نغموں میں بن جاؤنگا ہلکا سا خمار

صبحدم جب گائے گی چکی پہ تو میکے کا راگ
میں ترے سینے میں بن جاؤنگا امیدوں کی آگ

تو نہائے گی جو چھپ کر کیکروں کی باڑ میں
بلبلے کی آنکھ بن کر میں رہونگا تاڑ میں

رات کے ہنگام سو جائے گی جب تو کھاٹ پر
خواب میں بن کر کوئی چھیڑوں گا تجھ کو گھاٹ پر

جب کبھی تو جائیگی گرمی میں گیہوں کوٹنے
بجلیاں بن بن کے گالوں سے لگونگا لوٹنے

دن ڈھلے جب لے کے چارہ آئیگی تو گاؤں میں
بن کے سبزہ لیٹ جاؤنگا میں تیرے پاؤں میں

دودھ دھنے کی صدا پر جب لگے گی جھومنے
بن کے گیسو سرخ گالوں کو بڑھونگا چومنے

جب برستی رات میں تو گائے گی میٹھے ملار
میں تری آنکھوں میں بن جاؤنگا ساون کی پھوار

اس طرح جرات کرونگا عشق کے اظہار کی

جب پیت نواسی آنکھوں سے

ان پیت نواسی آنکھوں سے جب کیف کے چشمے پھوٹتے ہیں
اور دیکھنے والے بیداری میں نیند کا جوبن لوٹتے ہیں

پلکوں پہ لئے میخانہ جب ساون کی گھٹائیں آتی ہیں
ہر سمت سے ظالم توبہ شکن مخمور صدائیں آتی ہیں

جب صحن چمن سے وقف سحر آلام کا بادل پھٹتا ہے
غنچوں میں عروس فطرت کے ہونٹوں سے تبسم بٹتا ہے

جب درد کے مرہم سے شاعر زخموں کے دہن کو بھرتا ہے
احساس کی تصویروں کو جب قرطاس کی زینت کرتا ہے

جب درد کی لہریں سینے کے ساحل پر دم بھر اونگھتی ہیں
الطاف مرے پہلومیں جب کچھ حسن کی نظریں ڈھونڈتی ہیں

جب لیلئی مغرب کے در پر سورج کی نگاہیں جھکتی ہیں
اور درد کے مارے انساں کی کچھ دیر کو آہیں رکتی ہیں

اس وقت ملا کر صہبا میں ساقی کی نگاہیں پیتا ہوں
اور حسن کی بیخود کرنوں سے زخموں کے دھن کو سیتا ہوں

چرواہی

اے جوانی کے حسین خوابوں کی متوالی بہار
چھوڑ دے بھیڑیں مرے کھیتوں میں اور گیسو سنوار

آہ کانٹے چبھ رہے ہیں تیرے نازک پاؤں میں
بیٹھ جا کچھ دیر اس شیشم کی ٹھنڈی چھاؤں میں

جم رہی ہیں پپڑیاں ہونٹوں پہ تیرے پیاس سے
وہ اٹھا لا چھاچھ کا برتن لپک کر گھاس سے

کھینچ کر آنچل ذرا سینے کو اپنے ڈھانپ لے
راز تیری نوجوانی کا نہ کوئی بھانپ لے

کوئی بانکا نوجواں کردے نہ تجھ کو بیقرار
زندگی تیری نہ ہو جائے الم سے ہمکنار

تیری آنکھوں میں نہ آنسو مسکرانا سیکھ جائیں
رس بھرے ہونٹوں پہ آہیں گنگنانا سیکھ جائیں

دل کی خواہش ہے کہ کھیتوں پر تری شاہی رہے
جب تلک زندہ ہے تو اک مست چرواہی رہے

مگر خدائی تری

یہ مانا میں نے کہ تیرا کوئی جواب نہیں
نگار خانۂ ہستی بھی کچھ خراب نہیں

گلوں کے پاک تبسم میں مستیاں بھی ہیں
فضا میں نرم ترنم کی بستیاں بھی ہیں

شباب و شعر میں رکھی ہے زندگی کی اساس
مزا زباں کا بدلنے کو ہے لبوں کی مٹھاس

چمن میں مست عنادل بھی ہیں چہکنے کو
نوا میں جام جوانی بھی ہے بہکنے کو

روش روش پہ بہاروں کی ہے فراوانی
کلی کلی میں نکھاروں کی ہے فراوانی

قدم قدم پہ نگاہوں کی پیاس بجھتی ہے
حسیں جلووں سے راہوں کی پیاس بجھتی ہے

ترے جہاں میں محبت بھی ہے شباب بھی ہے
شعاعِ ماہ کا گاتا ہوا رباب بھی ہے

مگر خدائی تری کامیاب بن نہ سکی
کہ ایک بوند بھی تجھ سے شراب بن نہ سکی

سلام لو

لہروں کے نرم نرم سہارو ! سلام لو
اب پھر نہ مل سکیں گے کنارو ! سلام لو

اپنا لیا ہے مجھ کو خزاں کے خلوص نے
تم سے بچھڑ رہا ہوں بہارو ! سلام لو

منسوب تم سے تھی مرے ماضی کی داستاں
اجڑے ہوئے حسین دیارو ! سلام لو

شاید چمن میں لوٹ کر اب پھر نہ آسکوں
ہمراز و غمگسار نظارو ! سلام لو

سوئے پڑے ہیں خاک میں اجڑے ہوئے شباب
آباد تربتوں کی قطارو ! سلام لو

اک درد لازوال میسر نہ آ سکا
پہلو میں حسرتوں کے مزارو! سلام لو

راہ حیات اور بھی تاریک ہو گئی
امید کے افق پہ ستارو! سلام لو

مایوسیوں کا ساتھ ہے الطاف دیر سے
اب کیسے کہہ سکیں کہ سہارو! سلام لو

شادی یا نیلام

کسے خبر تھی سماج اک ماہ‌رو کا جوبن نچوڑ لیگا
بڑھاپا دولت کا آسرا لے کے پھول شاخوں سے توڑ لیگا

گلابی جھیلیں چھلک پڑیں گی سنہرے گالوں کی وادیوں میں
جنازے اٹھیں گے ڈولیوں کی جگہ غم آلود شادیوں میں

طلائی سکے تری جوانی کا خون چاٹیں گے کھنکھنا کر
نحیف پیری شباب کو کھانسنا سکھائیگی مسکرا کر

نگاہ مے پاش پی کے اشکوں کا زہر پلکوں میں سو رہے گی
فسانہ ویران میکدے کا کوئی سنے گا نہ وہ کہے گی

لرزتا سایہ رسیلے ہونٹوں پہ ہونٹ رکھ دے گا والہانہ
کرے گا تعظیم جھک کے مذہب سلامی دے گا اسے زمانہ

ترے بدن کی گلابیوں سے ہوس کے بچھو سرور لینگے
پلا جو تاریک جھونپڑوں میں وہ زندگانی کا نور لینگے

حسین پیکر کو ٹھوکروں میں مسل کے بھی مطمئن نہ ہوگی
ترے عزیزوں کی بھوک تجھ کو نگل کے بھی مطمئن نہ ہوگی

مگر تری مسکرانے والی جبیں پہ ہرگز شکن نہ آئے
لبوں سے غم کا دھواں نہ اٹھے نظر پہ ساون کی رت نہ چھائے

سماج کی چیرہ دستیوں کا زباں پہ شکوہ کبھی نہ لانا
وفور گریہ میں مسکرا کر نشیلے ماضی کو بھول جانا

حسین یادوں کی تربتوں پر دیئے جلانا نہ آنسوؤں کے
ستارے پلکوں کے آسماں پر کبھی سجانا نہ آنسوؤں کے

تری خموشی زبان بیباک دے گی ماحول کے دھن کو
شگفتگی میں کرے گی تبدیل عزم راسخ کی ہر تھکن کو

آخری خط

سراپا شعر کہتے تھے حسیں پیمانہ کہتے تھے
ابھی کل تک مری آنکھوں کو تم میخانہ کہتے تھے

جلاتے تھے مری راہوں میں تم اشکوں کی قندیلیں
ہمیں گھیرے ہوئے تھیں پھول اور بھونرے کی تمثیلیں

وہ راتیں یاد ہونگی جب مجھے پہروں مناتے تھے
مرے زانو پہ سر رکھ کر قسم تاروں کی کھاتے تھے

یہ ناگن تھی، گھٹائیں تھیں، کہ رومانی اندھیرا تھا
مری زلفوں کو تشبیہات دی تھیں اور بکھیرا تھا

گھنے پیڑوں کے پہلو میں حسیں دریا کے سینے پر
دلوں کی مشعلوں کو آگ دی تھی اک سفینے پر

مرے دامن پہ امیدوں کے گل بوٹے بناتے تھے
جدا ہوتے ہوئے دل کو پکڑ کر بیٹھ جاتے تھے

تخیل کے حسیں ایواں میں مستقبل کی تنویریں
سلیقے سے سجائیں تھیں کبھی ہم نے وہ تصویریں

کبھی ہونٹوں کو میرے جام مل کا نام دیتے تھے
کبھی باہوں کو میری شاخ گل کا نام دیتے تھے

شب مہتاب جب ہم خوف رسوائی سے ڈرتے تھے
لرزتے تھے تمہارے ہونٹ اور فریاد کرتے تھے

قسم کھا کر کہا کرتے تھے مستانہ فضاؤں میں
کٹے گی زندگی اپنی انہیں زلفوں کی چھاؤں میں

محبت کے صحیفے کی حسیں تفسیر لکھیں گی
حنائی انگلیاں تقدیر کی تحریر لکھیں گی

نہ چھن جائے کہیں یہ آسرا نیچی نگاہوں کا
جیوں گا عمر بھر لے کر سہارا نرم باہوں کا

مجھے آغوش میں لے کر کہا کرتے تھے راتوں کو
مرے سینے پہ رکھ دو مسکرا کر سرخ ہاتوں کو

تمہارا نام ہے سرخی مرے دل کے فسانے کی
نظر ڈس لے کہیں ہم کو نہ اب ظالم زمانے کی

مگر وہ زندگی وہ دن وہ راتیں اک فسانہ تھیں
کسی معصوم کے برباد کرنے کا بہانہ تھیں

خزاں پیغام لائی پھول کے پامال ہونے کا
مری تقدیر کو مژدہ ملا تاحشر سونے کا

فضا چیخی، ہوا میں سسکیوں کے کارواں پھیلے
سنبھل سکتی بھلا کیا ایک لڑکی ناگہاں پھیلے

تمہاری آنکھ میں بیگانگی نے گھر بسایا ہے
دیا جو ایک مدت سے فروزاں تھا بجھایا ہے

مری کمسن جوانی کیا کسی کو اب صدا دے گی
لہو روئیگی خوں تھوکے گی اور تم کو دعا دے گی

حسین ماضی کی تربت پر گل حسرت چڑھاؤنگی
تمہارا نام بھی لیکن کبھی لب پر نہ لاؤنگی

تمہیں بدنامیوں کی آگ سے محفوظ رکھونگی
نئے رومان کی توقیر کو ملحوظ رکھونگی

دعا ہے سرخ لب، مخمور آنکھیں، نرم رخسارے
تُمہیں آغوش میں لے لیں یہ شیرینی کے فوارے

عروس نو کی ٹھنڈی مسکراہٹ میں نہاؤ تم
سلونے گیت رنگیں خلوتوں میں گنگاؤ تم

فنوں میکدہ بیدار ہو اٹھتی جوانی میں
محبت کی سحر پھوٹے تمہاری زندگانی میں

مرا کیا ہے تمہاری یاد ہی کی ہو رہونگی میں
کسی ویران وادی سے لپٹ کر سو رہونگی میں

اگر مجھ کو لحد تک آسرا دیتے تو کیا ہوتا
مجھے بھی اپنی شادی میں بلا لیتے تو کیا ہوتا

مبارک پیش کرتی ہوں یہی میرا فریضہ ہے
خدا حافظ کہ اب یہ آخری میرا عریضہ ہے

چوڑیوں والا

گوری کلائیوں میں رنگنیاں بھرونگا
نازک جوانیوں میں شیرینیوں بھرونگا
ہاتھوں میں مسکرا کر گلچینیاں بھرونگا

مخمور ٹھمریوں کے راز و نیاز دونگا
رنگین چوڑیوں کا ہاتھوں میں ساز دونگا

گستاخ اوڑھنی کو جوبن کا رس پلا کر
زریں تبسموں کے لب پر دیئے جلا کر
چوڑے کی راگنی میں بھیروں کی لے ملا کر

ہر مشتری کو ہنس کر جام شراب دونگا
آواز دے رہا ہوں اٹھتا شباب دونگا

شاداب خلوتوں کی سوغات کا خدا ہوں
گیسو نہ یوں بکھیرو برسات کا خدا ہوں
سوگند چوڑیوں کی نغمات کا خدا ہوں

نغموں کی بارشوں میں آؤ نہا کے دیکھو
جلووں کی روشنی میں گھونگٹ اٹھا کے دیکھو

راہوں کے تکنے والو مجھ سے نوید لے لو
گیتوں کی وادیوں میں آئی ہے عید لے لو
بچھڑے ہوئے دلوں کی حاصل ہے دید لے لو

چوڑے کا ساز چھیڑو مدہوش ہیں فضائیں
ساغر کھنک کھنک کر دینے لگیں صدائیں

گلرنگ چوڑیوں میں پیغام دم بخود ہیں
اترے ہوئے فلک سے الہام دم بخود ہیں
میخانہ ہنس رہا ہے اور جام دم بخود ہیں

کرنیں لپٹ رہی ہیں پرنور بازوؤں سے
نشہ چھلک رہا ہے مخمور بازوؤں سے

قطعہ

کرتی ہے راوی میں یوں اشنان سورج کی کرن
کھیلتی ہیں آسماں زادی سے کرنیں اس طرح
ہو کے زلفوں کی طرح بیگانۂ ہوش و حواس
چومتی ہیں انگلیاں مطرب کی بربط جس طرح

قطعہ

سرخ باہیں گلے کی زینت ہیں
میں شرابوں میں پل کے نکلا ہوں
اپنے کردار کی حفاظت کو
کتنے شعلوں پہ چل کے نکلا ہوں

قطعہ

مری وفانے جلائے ہیں آندھیوں میں چراغ
مرے خلوص کے رخ پر ہے چاندنی کا نکھار
خزاں کی رات میری زندگی پہ پھیلادو
میں ڈھونڈ لاؤنگا اک گنگناتی صبح بہار

قطعہ

مسکرا کر آپ نے دیکھا تھا اک ناچیز کو
وہ حسیں لمحہ ابھی تک یاد میں محفوظ ہے
آپ کی پلکوں کے سائے کہہ رہے تھے کوئی بات
بات وہ ابتک دل ناشاد میں محفوظ ہے

قطعات

کہا یہ نیند سے میں نے کہ اے وفا دشمن !
تو برسوں کیوں نہیں آتی ھے مجھ غریب کے پاس
نگاہ پھیر کے کہنے لگی ارے ناداں!
میں تیرے پاس رھوں یا تیرے نصیب کے پاس

۲

گیت اک تھا میرے تخیل میں
مجھ کو امید تھی وہ آئینگے
کیا خبر تھی کہ اُن کے آنے تک
ساز کے تار ٹوٹ جائینگے

قطعات

آسماں پر کشتیٔ مہتاب ہے محو خرام
نیند کی نازک حسینہ گا رہی ہے مست راگ
سو رہے ہیں آپ تانوں کی ادائیں اوڑھ کر
میرے بستر پر بچھی ہے ہجر کے نغموں کی آگ

۲

ہمنشیں یہ سحر زا منظر مرے ہمراز ہیں
میرے افسانوں کے خالق ہیں گلستانوں کے پھول
سبز کھیتوں میں ابھرتی ڈوبتی پگڈنڈیاں
میرے گیتوں کی خدا ہیں میرے نغموں کی رسول

قطعات

اک دروغ اور وہ بھی بے معنیٰ
لب فطرت پہ ڈگمگاتا ھے
وقت کی انگلیوں کے چھوتے ھی
سانس کا ساز ٹوٹ جاتا ھے

تقدیر اور تدبیر

سچ بر آخر کس لئے تعزیر ھے
بڑھنے والے پاؤں میں زنجیر ھے
کھانستی تقدیر کے ھاتھوں میں کیوں
گنگناتی جھومتی تدبیر ھے

مذھب

کچھ حدیں اور چند دیواریں
سیدھی راھوں کو روک لیتی ھیں
جب حقائق پر آنکھ اٹھتی ھے
یہ نگاھوں کو روک لیتی ھیں

قطعات

فریب کھانے کی عادت پہ ناز ہے مجھ کو
بہت خلوص ہے اس عارضی سہارے میں
شب فراق نگاھوں پہ جیسے کھلتا ہے
حسین باب محبت ہر اک ستارے میں

۲

کچھ گناھوں کی بھیک مل جاتی
کچھ حسینوں کو آزما لیتے
ظرف کی وسعتیں ھیں تشنہ دہن
ظرف کی تشنگی بجھا لیتے

قطعات

سایہ افگن ہے فضا پر آج دیوالی کی شب
جگمگاتے ہیں در و دیوار پر زریں چراغ
رات کے پچھلے پہر جیسے وطن کی یاد سے
مسکراتے ہیں کسی مہجور کے سینے کے داغ

۲

ھجر کی راتوں میں جب گاتا ھے کوئی بیقرار
دل کی خاموشی سے یوں شانہ لڑاتی ھے صدا
جیسے ھنگام سحر ساغر صبو کے لئے
شبنمیں بستر سے کلیوں کو جگاتی ھے صبا

قطعہ

جہان تلخ میں جو لذت گناہ نہ ہو
لبوں کی ساغر مے کی طرف نگاہ نہ ہو
شراب ناب کے چھلکے ہو سبو کی قسم
بشر کا زیست سے اک آن بھی نباہ ہو

شعر

بند ہے شیشوں میں انسان کا لہو
میکدے کا یہ نیا دستور ہے

تصانیف نسیم حجازی

محمد بن قاسم	۴—۰—۰
آخری معرکہ	۷—۸—۰
داستان مجاہد	۳—۰—۰
آخری چٹان	۴—۸—۰
انسان اور دیوتا	۳—۸—۰
سو سال بعد	۲—۸—۰
شاہین	
خاک و خون	